احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

دسمبر 2025ء

نفع بخش تجارت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت

انسانی وقار کا بحران اور اسلام کا اخلاقی نظام

اعتدال اور میانہ روی

نتائج و اثرات

جدید ترقی مگر روحانی تنزلی، اسباب اور تدارک

فتنۂ الحاد، اثرات اور تدارک

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

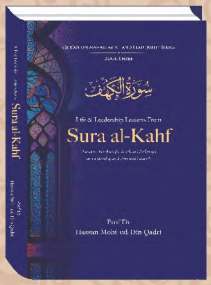

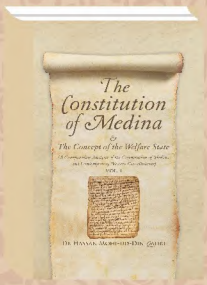

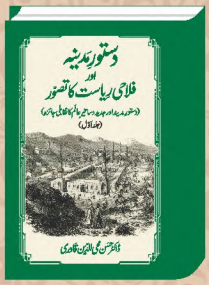

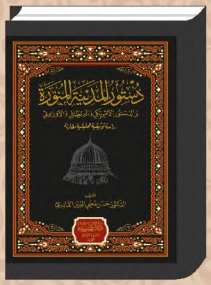

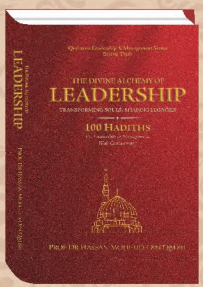

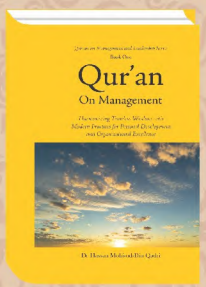

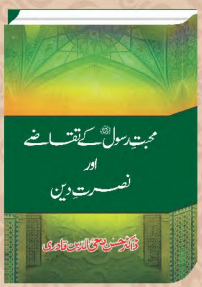

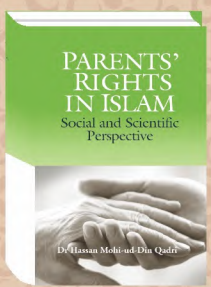

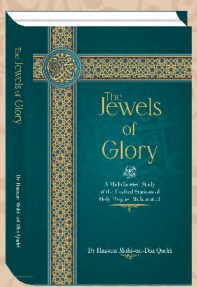

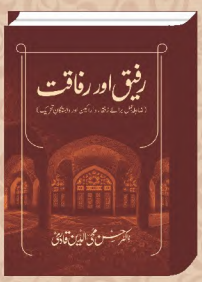

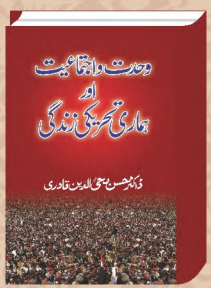

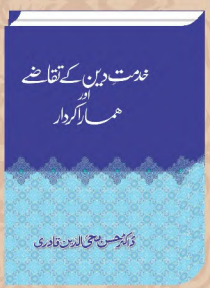

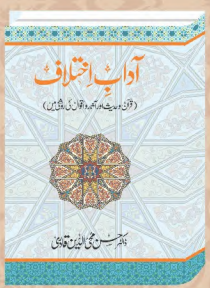

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 39 | شمارہ: 12 | جمادی الثانی / رجب المرجب ۱۴۴۷ھ | دسمبر 2025ء

بفیضانِ نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ

ڈاکٹر محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی، محمد بلال اُپل
سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی، حفیظ اللہ جاوید

مجلس مشاورت

خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسنِ ترتیب

اداریہ: اصلاحِ احوال کا مصطفوی منہاج	چیف ایڈیٹر	5
القرآن: سب سے نفع بخش تجارت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	20
اعتدال اور میانہ روی کے نتائج و اثرات	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	25
سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی ثابت قدمی اور آج کے چیلنجز	ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی	35
عصرِ حاضر میں انسانی وقار کا بحران اور اسلامی اخلاقی نظام	ڈاکٹر تاج الدین کالامی	45
جدید ترقی مگر روحانی تنزلی: اسباب اور ان کا تدارک	ڈاکٹر محمد اظہر عباسی	55
الحادی رجحانات کے اثرات اور ان کا تدارک	ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی	64
موضوعاتی اشاریہ ماہنامہ منہاج القرآن 2025ء		74

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ / رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

تو جلال بھی تو جمال بھی
تو ہی حال بھی تو ہی قال بھی

تری شان کی کروں بات کیا
تو ہی خود ہے اپنا کمال بھی

جسے جستجو بھی نہ پاسکے
کوئی ہاتھ بھی نہ لگا سکے

تو وجود، بغیر وجود ہے
تجھے کیسے کوئی دِکھا سکے

تری ابتداء ہے نہ انتہا
ترے جلوے دہر میں جابجا

تری ذات ربِّ قدیر ہے
تو ہی عرش و فرش کا ہے خدا

تو شعورِ فکر و نظر میں ہے
نہ شجر میں ہے نہ حجر میں ہے

تری ذات کیا ہے، کیا ہے تو
یہ سوال قلبِ بشر میں ہے

ترے رمز جن پہ بھی وا ہوئے
وہ جہاں کے راہنما ہوئے

تری چاہ جن کو بھی لگ گئی
وہ حدیثِ درسِ وفا ہوئے

(بدرؔ فاروقی)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

آقا حضورؐ، آج بھی تنہا بہت ہوں مَیں
اپنے بدن کی خاک پہ بکھرا بہت ہوں مَیں

پتھر کے آدمی کی بھی آنکھیں چھلک پڑیں
اِمشب درِ حضورؐ پہ رویا بہت ہوں مَیں

گرہیں تمام کھول دے میرا خدا، حضورؐ
غم ہائے روزگار سے الجھا بہت ہوں مَیں

رکھا ہوا ہے آپؐ نے میرا بھرم، حضورؐ
ورنہ گلی میں شخص نکمّا بہت ہوں مَیں

نکلوں تلاشِ عظمتِ ماضی میں یا نبیؐ
غفلت کی نیند دن میں بھی سویا بہت ہوں مَیں

آقا حضورؐ، آپؐ سے شرمندہ ہوں کہ شب
اشکِ رواں کے سیل میں بھیگا بہت ہوں مَیں

کیجئے عطا حضورؐ مجھے روشنی کے پھول
اپنے بدن کے غار میں اترا بہت ہوں مَیں

اب کے برس طلب وہؐ کریں گے مجھے ضرور
ہجرِ نبیؐ میں ہر گھڑی تڑپا بہت ہوں مَیں

یارب! ہوائے شہرِ نبیؐ، ہمسفر رہے
ہر رہگذارِ شوق پہ بھاگا بہت ہوں مَیں

مجھ پر نوازشات کی بارش ہوئی ریاضؔ
جب بھی کہا حضورؐ پیاسا بہت ہوں مَیں

(ریاض حسین چودھری)

اداریہ

معاشرتی زبوں حالی اور ہمارا طرزِ عمل
اصلاحِ احوال کا مصطفوی منہاج

آج جب ہم اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی معاشرتی بے حسی اور اخلاقی پستی کا جائزہ لیتے ہیں، تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ معاشرہ جو کبھی اسلامی اقدار کا گہوارہ تھا، آج مادیت پرستی، خود غرضی اور بے راہ روی کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ رشوت خوری، ملاوٹ، جھوٹ، فریب اور حق تلفی جیسے قبیح افعال ہمارے روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ ہم نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو دنیاوی مفادات کے حصول تک محدود کر لیا ہے اور اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ ایک دن ہمیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ ہمارے گھروں میں جھگڑے، گلیوں میں ناانصافی، بازاروں میں دھوکہ دہی اور دفاتر میں بدعنوانی عام ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اعتماد کے بجائے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اپنے حقوق کا تو مطالبہ کرتے ہیں لیکن اپنے فرائض کو یکسر بھلا دیتے ہیں۔ ہم نے صبر و تحمل، برداشت اور رواداری جیسی عظیم اسلامی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔ کیا یہی وہ معاشرہ ہے جس کا خواب ہمارے اسلاف نے دیکھا تھا؟ کیا یہی وہ طرزِ عمل ہے جس کی تعلیم ہمیں ہمارے دین نے دی ہے؟

یہ ایک المیہ ہے کہ ہم ایک اسلامی ریاست میں رہتے ہوئے بھی غیر اسلامی رسوم و رواج اور طور طریقوں کی تقلید میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی ثقافت اور اپنی اقدار کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید شروع کر دی ہے۔ ہماری نوجوان نسل اپنی تاریخ اور اپنے ورثے سے ناواقف ہوتی جا رہی ہے۔ انہیں اپنے اسلاف کے کارناموں اور اسلامی تعلیمات کی عظمت کا کوئی علم نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہو رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں۔ ہمیں اپنی طرزِ زندگی پر ایک گہری نظر ڈالنی ہو گی اور یہ جائزہ لینا ہو گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمیں کس طرف جانا ہے۔ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے ایک واضح لائحہ عمل اختیار کرنا ہو گا:

پہلے مرحلہ میں ہمیں اپنے اخلاق و کردار کی اصلاح کرنی ہو گی۔ ہمیں سچ بولنے، وعدہ وفا کرنے، امانت داری کا مظاہرہ کرنے اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔ ہمیں غیبت، حسد، بغض اور کینہ جیسی رذائل سے خود کو بچانا ہو گا۔ ہمیں اپنے اندر عاجزی، انکساری اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرنا ہو گا۔

دوسرے مرحلہ میں ہمیں اپنے معاشرتی رویوں کو بدلنا ہو گا۔ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرنا ہو گا۔ ہمیں غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنی ہو گی۔ ہمیں یتیموں کی کفالت اور بیواؤں کی سرپرستی کرنی ہو گی۔ ہمیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہو گا اور اپنے معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے میں اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔

تیسرے مرحلہ میں ہمیں اپنی تعلیم و تربیت کے نظام کو بہتر بنانا ہو گا۔ ہمیں اپنی نوجوان نسل کو جدید علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرانا ہو گا۔ ہمیں انہیں اپنی تاریخ اور اپنی ثقافت سے جوڑنا ہو گا اور ان کے اندر حب الوطنی اور ملی غیرت کا جذبہ پیدا کرنا ہو گا۔

چوتھے مرحلہ میں ہمیں آدابِ اختلاف کو مدِ نظر رکھنا ہو گا۔ آج جتنے بھی جھگڑے ہیں وہ آدابِ اختلاف کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہیں۔ اختلاف اس وقت رحمت بن جاتا ہے جب اس کے آداب ملحوظ رکھے جائیں۔ اہل علم کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اپنا نقطہ نظر ایک سلیقے اور قرینے کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ہمیشہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ اُمت کو متحد کرنا، علمی کلچر کا احیاء کرنا اور سوسائٹی میں امن اور محبت کی فضا پیدا کرنا یہ علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ جب اختلاف دشمنی بن جاتا ہے تو پھر سوسائٹی میں انتشار اور تفریق جنم لیتی ہے۔ علم کا سفر آخری سانس تک جاری رہتا ہے، ایک سچا عالم وہی ہے جو ہر روز سیکھے اور تربیت کے مرحلے سے خود بھی گزرے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کارِ خیر کا حصہ بنائے۔ علم میں سب سے بڑی معرفت عاجزی اور احتیاط اختیار کرنا ہے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین نے مختلف امور پر علمی اختلاف کے باوجود وحدت، تہذیب، وسیع القلبی اور باہمی احترام کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

یہ ایک طویل اور صبر آزما عمل ہے، لیکن یہ ناممکن نہیں ہے۔ اگر ہم سب مل کر خلوصِ نیت سے کوشش کریں تو ہم یقیناً اپنے معاشرے کو ایک بار پھر امن و سکون، عدل و انصاف اور اخوت و بھائی چارے کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ ان تمام مراحل پر مبنی اس جدوجہد میں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی مخلص اور باکردار شخصیات سے بھی نوازا ہے جو احیائے اسلام، تجدید دین اور اصلاحِ احوال کے مصطفوی مشن پر کاربند ہیں۔ ان میں سرفہرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی اور ان کی قائم کردہ عالمگیر تحریک منہاج القرآن ہے۔ یہ تحریک جس انداز میں قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کر رہی ہے،

نوجوان نسل کو عشقِ رسول ﷺ سے سرشار کر رہی ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات اٹھا رہی ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔ اس لیے کہ حقیقی قائد وہ ہے جو خدمت، کردار اور علم کے ذریعے اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔ قیادت کا اصل معیار بلند اخلاق، سچے کردار، انسانیت کی خدمت اور علم سے وابستگی ہے۔ نوجوان آج بے شمار چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں، حقیقی قائد نوجوانوں کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لئے دینی، اخلاقی اور علمی رہنمائی عطا کرتا ہے۔ جس معاشرے میں کردار اور علم کو بنیاد بنایا جائے وہاں ترقی اور امن خود دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے علمی خطابات اور بصیرت افروز تحریروں نے لاکھوں لوگوں کے قلوب میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا کی ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ”دین کی حقیقی روح علم و تحقیق ہے، اہل علم امت کی فکری عمارت کے ستون ہے، دعوت دین دینا فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ہے، امت کا ہر شخص داعی ہے، جس کے پاس دین کا جتنا علم ہے اس پر فرض ہے کہ وہ اس علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ دعوت دین شریعت مطہرہ کا عظیم فریضہ اور انبیاءؑ کی وراثت ہے۔ موجودہ دور میں اُمت مسلمہ کو فکری راہ نمائی، محققانہ تحقیق اور علمی بصیرت کی شدید ضرورت ہے اور یہ ذمہ داری سب سے زیادہ اہل علم، محققین اور دینی سکالرز پر عائد ہوتی ہے۔ دعوت دین کا مقصد فرقہ وارانہ بحثیں چھیڑنا یا اختلافات بڑھانا نہیں بلکہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا، اخلاق محمدیؐ اپنانے کی ترغیب دینا اور شریعت کے پاکیزہ اصولوں سے روشناس کروانا ہے۔ دعوت دین وہ علم ہے جو دلوں میں نور بھرتا ہے۔ نفرتوں کو محبتوں میں بدلتا ہے اور معاشرے کو امن و عدل کی طرف لے جاتا ہے۔ محققین اور سکالرز کا کردار اُمت کے مستقبل کا تعین کرتا ہے، اگر علمی دیانت، تحمل، تحقیق اور اعتدال کی روش اختیار کریں گے تو معاشرہ سدھرے گا، علم کے بغیر دعوت ادھوری ہے اور دعوت کے بغیر علم ادھورا ہے، دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے۔ نوجوان اپنی صلاحیتیں دین کی خدمت، اصلاح معاشرہ اور اُمت کی فکری تربیت کے لئے وقف کریں، اخلاص، اعتدال، اخلاق اور حکمت کے ساتھ دین کی دعوت کو آگے بڑھائیں کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جو انسانیت کو خیر اور سلامتی کی منزل تک پہنچاتا ہے۔“

منہاج القرآن کے تعلیمی، فلاحی اور دعوتی منصوبے معاشرے کی اصلاح میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ تحریک جس اخلاص اور تندہی کے ساتھ مصطفوی مشن کو آگے بڑھا رہی ہے، وہ ہمارے لیے ایک روشن مثال ہے۔ آیئے! ہم سب مل کر یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس عطا فرمائے اور ہمیں اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

القرآن

نفع بخش تجارت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (یونس، ۱۰: ۲۶)

”ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ (اس پر) اضافہ بھی ہے، اور نہ ان کے چہروں پر (غبار اور) سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت و رسوائی، یہی اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ احسان یعنی نیکی کے اعلیٰ درجہ، تقویٰ، صدق، اخلاص، پاکیزگی اور بندگی کے راستے کو اختیار کریں گے، انھیں ”الحسنیٰ“ یعنی ایک نہایت خوبصورت اجر عطا کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا: ”وَزِيَادَةٌ“، یعنی اس سے بھی بڑھ کر وہ انعام دیا جائے گا جو انسانی تصور سے ماورآ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ”وَزِيَادَةٌ“ کا مفہوم ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اسے پوشیدہ رکھا۔ اس ”وَزِيَادَةٌ“ سے کیا مراد ہے؟ یقیناً یہ ایک ایسی نعمت ہے جو کسی انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتی اور انسان کی سوچ بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

زیرِ نظر تحریر میں ہم اسی ”زِيَادَةٌ“ کے لفظ میں پنہاں نعمت کو جاننے کی کوشش کریں گے کہ وہ کیا ہے کہ جس کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔۔۔؟

ہم میں سے اکثر لوگ تجارت (Trade)، کاروبار اور مختلف اشیاء کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور نفع کماتے ہیں مگر اس دنیاوی تجارت کے علاوہ ایک تجارت اور بھی ہے جس کا نفع اس دنیاوی تجارت سے کئی بڑھ کر ہے۔ فرض کیجیے ہم جن اشیاء کی خرید و فروخت کرتے ہیں تو ان پر عام طور پر دس فیصد منافع لیتے ہیں، یعنی سو کا مال ایک سو دس میں فروخت کرتے ہیں لیکن ایک ایسی تجارت بھی ہے جس میں خریدار کے بارے میں ایک خبر یہ ہے کہ وہ سو روپے کی چیز ہزار میں لینے کو تیار ہے۔ اسی خریدار کے بارے میں دوسری خبر یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ایک لاکھ میں بھی خریدنے کو تیار ہے اور اسی خریدار کے بارے میں تیسری خبر یہ ہے کہ وہ اس چیز پر دو لاکھ تک دینے کو بھی تیار ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے زمانے میں بارش رُک گئی تھی، قحط سالی نے لوگوں کو گھیر لیا۔ لوگ حضرت ابو بکر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آسمان سے بارش نہیں ہو رہی، زمین کچھ اگا نہیں رہی، لوگ سخت پریشانی اور تنگی میں مبتلا ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا: تم لوگ واپس جاؤ، شام ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا۔ لوگ ابھی تھوڑی ہی دیر گئے تھے کہ حضرت عثمان غنی ؓ کے غلام شام سے واپس آئے۔ وہ سو اونٹوں کا قافلہ لائے تھے جن پر غلہ اور خوراک لدی ہوئی تھی۔ مدینہ کے تاجر حضرت عثمان غنی ؓ کے دروازے پر جمع ہو گئے اور دستک دینے لگے۔ حضرت عثمان غنی ؓ باہر تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں کو کیا ضرورت ہے؟ لوگوں نے عرض کیا:

الزمان قد قحط، السماء لا تمطر، والأرض لا تنبت، والناس فی شدة شدیدة، وقد بلغنا أن عندك طعاما، فبعناه حتی نوسع علی فقراء المسلمین۔

قحط نے ہمیں گھیر لیا ہے، آسمان بارش نہیں دے رہا، زمین کچھ نہیں اگا رہی اور لوگ سخت تنگی میں ہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس کھانے پینے کا سامان آیا ہے، براہِ کرم وہ ہمیں فروخت کر دیجیے تاکہ ہم مسلمانوں کے فقراء پر وسعت کر سکیں۔

حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا: بہت خوشی سے، آؤ اور خرید لو۔ پھر تاجر اندر داخل ہوئے اور دیکھا کہ حضرت عثمان غنی ؓ کے صحن میں غلہ اور سامان موجود ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا:

یا معاشر التجار کم تربحونی علی شرائی من الشام؟

”اے تاجرو! بتاؤ، میں نے یہ مال شام سے جس قیمت پر خریدا ہے، اس پر تم مجھے کتنا نفع دو گے؟“ انہوں نے کہا:

للعشرة اثنا عشرة ''ہم آپ کو دس کے بدلے بارہ دیں گے۔''

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے زیادہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم دس کے بدلے چودہ دیتے ہیں۔۔۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم دس کے بدلے پندرہ دیتے ہیں۔۔۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ دیا گیا ہے۔ تاجروں نے کہا:

يا أباعمرو: مابقي في المدينة تجار غيرنا، فمن ذا الذي زادك؟

''اے ابو عمرو! (یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی) مدینہ میں ہمارے سوا کوئی تاجر باقی نہیں، آخر وہ کون ہے جس نے آپ کو اس سے زیادہ دیا۔۔۔؟'' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

زادني الله عزوجل بكل درهم عشرة، أعندكم زيادة؟

مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر درہم کے بدلے دس گنا اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیا تم اس سے بڑھا سکتے ہو۔۔۔؟

انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فإني أشهد الله أني قد جعلت هذا الطعام صدقة على فقراء المسلمين۔

میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ سارا مال مسلمانوں کے فقراء پر صدقہ کر دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُسی رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفید و سیاہ رنگ کے خوبصورت گھوڑے پر سوار تھے، آپ کے بدنِ مبارک پر نور سے بنی ہوئی چادر تھی، پاؤں میں نور کے نعلین تھے، اور ہاتھ میں نور کا عصا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی میں جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

يا رسول الله، لقد اشتد شوقي إليك وإلى كلامك، فأين تبادر إذن؟

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی زیارت اور کلام کے شوق نے شدت اختیار کر لی تھی، آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يا ابن عباس، إن عثمان بن عفان تصدق بصدقة وإن الله عزوجل قد قبلها منه، وزوجه بها عروسا في الجنة، وقد دعينا إلى عرسه۔

''اے ابن عباس! عثمان بن عفان نے ایسا صدقہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا ہے، اور اس کے بدلے جنت میں اس کا نکاح ایک حورِ عین سے کر دیا ہے، اور ہمیں اُس کے نکاح کے جشن میں

مدعو کیا گیا ہے۔‘‘(کتاب الشریعۃ، أبو بکر محمد بن الحسین الآجري، کتاب ذکر فضائل أمیر المؤمنین عثمان بن عفان، باب ذکر إکرام النبي ﷺ لعثمان رضي اللہ عنہ وفضلہ عندہ، ج:۴، ص: ۲۰۱۴، رقم الحدیث:۱۴۸۶)

آج ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ کیا ہم نے کبھی دنیاوی تجارت کرنے کے ساتھ ساتھ اس طرح کی تجارت بھی کی ہے جس میں خریدار اللہ رب العزت کی ذات ہو جو ہم سے ہمارا مال و متاع دس گنا نفع دے کر خرید لے۔۔۔؟

دنیا اور آخرت کو مقصود بنانے والوں کے نفع کا موازنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الاسراء:۱۸)

جو کوئی صرف دنیا کی خوشحالی (کی صورت میں اپنی محنت کا جلدی بدلہ) چاہتا ہے تو ہم اسی دنیا میں جسے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں جلدی دے دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لیے دوزخ بنادی ہے جس میں وہ ملامت سنتا ہوا (رب کی رحمت سے) دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔

یعنی جو شخص تجارت کرتا ہے، محنت کرتا ہے، اپنی توانائیاں، وقت، ذہن اور صلاحیتیں صرف کرتا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہو کہ مال، دولت، پیسہ، جائیداد، کوٹھیاں، بینک بیلنس، شہرت اور نام حاصل ہو جائے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا نفع اسی دنیا میں جلد مل جائے تو اللہ رب العزت اسی دنیا میں اسے جلدی اجرت و نفع دے دیتے ہیں اور اس کی تجارت کا حساب دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں مگر آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا اور اس کا انجام دوزخ ہوگا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (الاسراء:۱۹)

اور جو شخص آخرت کا خواہش مند ہوا اور اس نے اس کے لیے اس کے لائق کوشش کی اور وہ مومن (بھی) ہے تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبولیت پائے گی۔

یعنی جس نے آخرت کا ارادہ کر لیا اور یہ طے کر لیا کہ حقیقی سودا آخرت کا ہے اور اسی کو ترجیح دینی ہے تو وہ اپنی محنت، مزدوری، تجارت اور کاروبار کو ترک نہیں کرے گا بلکہ اسے جاری رکھے گا، مگر اسے مقصدِ حیات نہیں بنائے گا۔ اس لئے کہ دنیا میں محنت و کاروبار کرنا، یہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی ہے اور

واجب بھی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے یہی طریقہ بتایا ہے کہ دنیا کے لیے محنت کی جائے، مگر اسے مقصدِ حیات نہ بنایا جائے۔ یعنی انسان اس پر مر مٹ نہ جائے، اپنی تمام راحتیں، خواہشات اور زندگی کا محور صرف دنیا ہی کو نہ بنائے کہ جینا بھی اسی کے لیے ہو اور مرنا بھی اسی کے لیے ہو۔

پس جس نے آخرت کو مقصود بنا لیا، وہ تجارت، کاروبار اور معاش بھی چلائے گا، محنت مزدوری بھی کرے گا مگر مقصد آخرت ہو گا، دنیا نہیں۔ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے: وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا میں ”سعی“ کو دو بار بیان کیا تاکہ یہ واضح ہو کہ جس نے آخرت کی جدوجہد کو ہر شے پر مقدم رکھا اور آخرت کے لیے وہی محنت کی جو آخرت کے لائق تھی، اس کے لیے وہی کوشش کی جو درکار تھی اور پھر: وَهُوَ مُؤْمِنٌ وہ مومن بھی ہے، یعنی اس نے اپنے ایمان کو سلامت رکھا اور اپنے ایمان کو متزلزل نہیں ہونے دیا۔۔۔ ماحول اور معاشرے کے اثرات کو ایمان پر غالب نہیں آنے دیا۔۔۔ نوجوان اسکول، کالج اور یونیورسٹی بھی گئے، تعلیم بھی حاصل کی، مگر ایسی چیز نہیں اپنائی جو ایمان کو غیر مستحکم کر دے۔۔۔ دوست بھی بنائے، کاروبار بھی کیا، سماج میں اٹھنا بیٹھنا بھی رکھا، مگر ایمان کی جڑ کو کمزور نہیں ہونے دیا۔۔۔ ایمان کو ٹہنی نہیں بلکہ درخت کے مضبوط تنے کی طرح قائم رکھا۔۔۔ ایمان کو مقدم رکھا تاکہ آخر کار اعلیٰ درجہ نصیب ہو۔ فرمایا: فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ایسے لوگوں کی محنت اللہ کے حضور قبول ہو جاتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ میرے مقبول بندے ہیں اور ان ہی کی کوششیں میرے ہاں مقبول ہیں۔

قرآنِ مجید کی ان آیات (سورۃ الاسراء: ۱۸۔ ۱۹) میں دونوں طرزِ زندگی؛ دنیا اور آخرت، انھیں ایک دوسرے کے مقابل رکھا گیا ہے۔ جبکہ اول الذکر آیتِ کریمہ (یونس: ۲۶) میں اس سے بھی بڑھ ایک بلند درجہ بیان ہوا ہے، کیونکہ وہاں صرف اُجرت نہیں بلکہ اس سے آگے کا انعام بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نہ صرف خوبصورت اجر دوں گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دوں گا۔

ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خوبصورت اجر کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس خوبصورت اجر اور اس سے بھی بڑھ کر انعام سے مراد: بخشش، مغفرت، قبر کی رات میں بشارت، آقا علیہ السلام کی پہچان و معرفت، قبر کا جنت میں بدل جانا، جنت کی خوشبوئیں، قیامت کے دن آقا علیہ السلام کے جھنڈے لواء الحمد تلے پناہ مل جانا، شفاعت نصیب ہونا، حساب کتاب میں کامیابی، پل صراط سے گزر جانا، جنت میں داخلہ، حور و قصور، محلات، نہریں، دریا، باغات ہیں۔۔۔؟ کیا اس انعام سے مراد جنت ہے کہ جہاں جو چاہیں گے، ملے گا، جو خواہش کریں گے، پوری ہو گی۔ جہاں نہ موت ہو گی، نہ غم، نہ بیماری، نہ تھکاوٹ۔ ہمیشہ کی تازگی، ہمیشہ کی راحت، ہمیشہ کا سکون۔ جدھر نگاہ اٹھے، نظر کو ٹھنڈک اور دل کو اطمینان ملے گا۔

ان نعمتوں کو دیکھ کر انسان سوچتا ہے کہ کیا یہ وہ اجر ہے جو زیادہ ملنا تھا؟ کیا اس سے آگے کچھ نہیں۔۔۔؟ نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى کے مصداق ''الحسنیٰ'' میں شامل ہے۔ مگر اس کے بعد فرمایا: ''وَزِيَادَةٌ''۔ یعنی اس سے بھی زیادہ میرے پاس ہے۔ وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''وَزِيَادَةٌ'' کو نکرہ استعمال فرمایا، تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ وہ انعام اتنا زیادہ ہے کہ انسان کے تصور اور خیال سے بھی ماورآء ہے۔ یہی وہ تجارت ہے جس کی طرف توجہ مبذول کروانا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کا خریدار ہے

ہمارے علم میں ہے کہ کوئی بھی تجارت بغیر لین دین کے مکمل نہیں ہوتی۔ ہمارے پاس دینے کے لئے کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا خریدار ہے۔ ہمارا سودا جتنا قیمتی ہوگا، اس کے بدلے میں اتنا ہی قیمتی ہمیں ملے گا۔ اس تجارت میں ہم نے جو بیچنا اور فروخت کرنا ہے، وہ دنیاوی مال و متاع نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے جس سودے کی قیمتِ خرید ''وَزِيَادَةٌ'' کے الفاظ کی صورت میں سنائی ہے، وہ مالِ تجارت، سودا اور شے ہمارا دل ہے۔ اگر ''وَزِيَادَةٌ'' کے پیغام میں پنہاں دولت حاصل کرنی ہے تو اللہ کے ساتھ یہ تجارت کرنی ہے کہ ہمیں اپنا دل اللہ کو بیچنا ہوگا۔ اگر ہم اپنا دل اللہ کو بیچ دیں تو اس کے بدلے میں وہ ہمیں ''وَزِيَادَةٌ'' کے اندر مخفی انعام و اکرام سے نوازے گا۔

ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''وَزِيَادَةٌ'' کی حد کیا ہے۔۔۔؟ یعنی ہمارے سودے اور مال کی قیمت کیا لگے گی۔۔۔؟ اس کا جواب اس بات پر منحصر ہے کہ ہم نے اپنا مال یعنی دل کس حال میں اللہ کے حضور پیش کیا ہے۔۔۔؟ اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ جب ہم گاڑی بیچتے ہیں تو اسے صاف ستھرا، چمکدار اور درست حالت میں بیچتے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی گاڑی تو کوئی نہیں خریدتا۔ ہم اس کی باڈی، سیٹیں، رنگ و روغن، سب کچھ درست کر کے خریدار کو دکھاتے ہیں۔ جب انسانوں کو گاڑی بیچنے سے پہلے ہم اتنا اہتمام کرتے ہیں تو اندازہ کریں کہ اللہ کو دل بیچنے سے قبل کتنا اہتمام کرنا ہوگا۔ ہمیں اسے بھی سنوار کر، پاکیزہ بنا کر اور خوبصورت کر کے اس کے حضور پیش کرنا ہوگا۔

یہ سنوارنا اور خوبصورت بنانا دراصل ظاہر و باطن دونوں حوالوں سے ہے۔ جیسے گاڑی کا خریدار پہلے اس کا ظاہر دیکھتا ہے، رنگ، باڈی، ماڈل دیکھتا ہے اور اس بات پر خصوصی توجہ دیتا ہے کہ گاڑی میں کہیں ڈینٹ تو نہیں، باڈی پر خراشیں تو نہیں پڑی ہوئیں؟ پھر جب وہ مطمئن ہو جاتا ہے تو اب اس کے باطن کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ گاڑی کا باطن اس کا انجن ہے۔ اب وہ انجن کھولتا ہے، اس کے اندرونی

نظام کو دیکھتا ہے، چھوٹی چھوٹی باریک چیزوں کو چیک کرتا ہے، اس کی آواز، اور گاڑی کے دھواں چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کی طرف نظر کرتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ گاڑی کا ظاہر بھی عمدہ ہے اور باطن بھی درست ہے، تب وہ سودا مکمل کرتا ہے۔

اسی طرح جب بندہ اللہ سے تجارت میں اپنا دل اپنے مال اور سودے کی صورت میں اللہ کے حضور پیش کرے تو اس کا ظاہر بھی خوبصورت ہو۔ کردار، گفتار، اعمال درست ہوں۔ اسی طرح اس کا باطن بھی روشن، مخلص اور اللہ کے عشق سے معمور ہو۔ جب ظاہر و باطن دونوں پاکیزہ ہوں، تب اللہ تعالیٰ اس دل کا خریدار بنتے ہوئے اسے قبول فرمالیتا ہے۔

ظاہر و باطن دونوں کی پاکیزگی مطلوب ہے

جب ہم اللہ کے ساتھ تجارت کرنے جا رہے ہیں اور اسے اپنا دل بیچنے لگے ہیں اور اللہ رب العزت نے اس کے بدلے ہمیں ''وَزِيَادَةٌ'' کے مصداق بہت بڑی قیمت دینی ہے، بہت بڑا اجر عطا کرنا ہے تو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی جانچ بھی کریں گے کہ مجھے جو مال (دل) بیچا جا رہا ہے، اس کا ظاہر و باطن کیا ہے۔۔۔؟ وہ پہلے ہمارے ظاہری اعمال کو دیکھے گا، پھر دل اور باطن کے حال کو بھی دیکھے گا۔۔۔ وہ ہماری نیت کو بھی پرکھے گا اور ہماری طہارت اور اخلاق کو بھی جانچے گا۔۔۔ وہ شریعت پر ہمارا عمل بھی دیکھے گا اور ہمارے باطنی اوصاف اور صفات کا جائزہ بھی لے گا۔

پس ہمیں اپنے مال کو اللہ کی بارگاہ میں فروخت کرنے سے پہلے اپنے ظاہر و باطن کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ ہمیں اپنی زبان پر غور کرنا ہوگا۔ جس کی زبان پر گالی ہے، اللہ اس کا دل کیوں خریدے گا۔۔۔؟ جس کی زبان پر غیبت اور چغلی ہے، اللہ اس کا دل کیوں خریدے گا۔۔۔؟ جو چھوٹی چھوٹی بات پر بھڑک اٹھتا ہے، دوسرے پر تہمت لگاتا ہے، جھگڑا کرتا ہے، مبالغہ آرائی کرتا ہے اور فسادات کرتا ہے تو اللہ اس کے دل کا خریدار کیوں بنے گا۔۔۔؟ جس کے اندر حسد، بغض، عداوت، نفرت ہے اور جو بد دیانتی و خیانت کرتا ہے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کیوں قبول کرے گا۔۔۔؟ یاد رکھیں! جس سودے اور مال کے اندر نقص اور خرابی ہو، اسے خریدا نہیں جاتا۔

اگر گاڑی کے انجن (یعنی گاڑی کے باطن) میں خرابی ہو، تو گاڑی رک جاتی ہے یا جھٹکے لینے لگتی ہے اور آگے بڑھنے اور منزل تک پہنچنے کے قابل نہیں رہتی۔ اسی طرح، دل اور باطن کی خرابی ہو تو ظاہری اعمال پر بھی ان کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اگر جسم پر اللہ کی نافرمانی، زبان پر غیبت یا بد گوئی، آنکھوں میں بدی، کانوں میں برائی، ہاتھ میں حرام چیزیں یا اخلاق برے ہیں تو یہ سب علامات دل کے

بگڑنے کی نشانی ہیں۔ یہ حالات جسم کے نہیں بلکہ قلب اور باطن کے بگاڑ کے سبب ہیں۔ جب دل تاریک، غلیظ، پتھر یا لوہے کی طرح مردہ ہو چکا ہو تو مردہ دل کے یہ اثرات جسم، زبان، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اگر کسی کے دل میں حلیمی، ٹھنڈک اور نرمی آگئی تو اس کی زبان، آنکھیں اور اعمال بھی نرم، خوش اخلاق اور پیارے ہوتے ہیں۔ اب اس کی زبان پر گالی، شکایت، غیبت یا مبالغہ آرائی نہیں رہتی اور وہ کسی پر تہمت و الزام نہیں لگاتا۔ اندر بہار کا موسم آجائے تو باہر کی تپش اثر انداز نہیں ہوتی۔ لہٰذا ظاہر کا متقی و مطہر ہونا، اس بات کی علامت ہے کہ دل سنور گیا ہے۔

اس حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ محض ظاہر کا صاف ہونا بھی کافی نہیں۔ اس لئے کہ لباس جسم کے اوپر ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوا کہ گندا اور پسینے سے بھرا جسم ہو مگر اس پر شاندار اور خوشبو والا لباس پہنا جائے۔۔۔؟ ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر نہا دھو کر جسم صاف کر لیا جائے مگر لباس گندا پہنا جائے، تو یہ بھی درست نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ظاہر اور باطن دونوں کی طہارت ناگزیر ہے۔

ہم نہا دھو کر جسم کو صاف اور اجلا کر کے باہر نکلیں تو اچھا لباس پہننا دل کو خوشی دیتا ہے لیکن اگر لباس گندا ہو، تو صاف جسم پر اسے پہننا پسند نہیں کرتے۔ جس طرح کا رشتہ جسم اور لباس کا ہے، اسی طرح زندگی میں ظاہر و باطن کا رشتہ بھی ہے۔ اگر دل گندا ہو تو جسم کی طہارت کچھ کام نہیں آتی اور اگر صرف باہر کی چیزیں اچھی ہوں تو وہ دل کی برائی دور نہیں کر سکتیں۔ دل کی گندگی دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ باہر اچھائی ہو۔ لہٰذا نیکی کریں، نیکی بولیں، نیکی دیکھیں، نیکی سنیں، حلال رزق کھائیں اور لقمۂ حرام سے پرہیز کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَكَلَ لُقْمَةً مِنْ حَرَامٍ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ صَلَاتُهُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً۔

جو شخص حرام کی لقمہ کھائے، اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہو گی۔(الدیلمی، مسند الفردوس، ج:۳، ص:۵۹۱، الرقم الحدیث:۵۸۵۳)

یعنی ایک لقمۂ حرام کا اثر چالیس دن تک نماز، روزے اور دیگر عبادات پر ہوتا ہے اور وہ قبول نہیں ہوتیں۔ اگر زندگی کا معمول ہی رزقِ حرام کھانا ہو تو چاہے سو برس کی زندگی گزاریں اور عبادات کے انبار لگا دیں، کچھ بھی قبول نہیں ہو گا۔ کیونکہ لقمۂ حرام کھایا جا رہا ہے، چاہے وہ دھوکہ دہی، جھوٹ، بغیر محنت کے اور مانگ کر کھایا جا رہا ہو یا دین کے نام پر لوگوں کی عقیدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کھایا جا رہا ہو، سب ناجائز اور حرام ہے۔

آج کل ہمارے ہاں نام نہاد پیر اور شیخ دین کے نام پر لوگوں سے مال بٹورتے ہیں۔ انھیں اپنے مریدین کی اصلاح سے کوئی غرض نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمہ وقت مریدین کی تعداد بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ اُن کی آمدنی کے ذرائع میں اضافہ ہوتا رہے۔ ایسی آمدنی بھی حرام ہے۔ نیویارک میں ایک بار خطاب کے بعد مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ پیرِ کامل کی پہچان کیا ہے؟ میں نے کہا کہ کامل پیر کی پہچان یہ ہے کہ وہ مریدوں کی تلاش میں نہ ہو۔ جو پیر مریدوں کی تلاش میں ملک در ملک، شہر در شہر، گلی گلی، کوچہ کوچہ مارا مارا پھرے، وہ کامل نہیں۔ ایسے لوگ اپنے مریدوں کے لیے خلیفے، نمائندے اور مڈل مین رکھتے ہیں جو اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ ”پیر صاحب آئیں گے، بڑے ولی اللہ ہیں، ان کی کرامتیں ہیں، دعا کروا لیں، بیعت کر لیں۔“ جو مرید بنانے کے لیے یوں مارا مارا پھرے، وہ اللہ کو کہاں پائے گا۔۔۔؟ وہ تو خود مریدوں کا مرید ہے۔ مرید کا مطلب ہے ارادہ کرنے والا۔ جو پیر مریدوں کا ارادہ رکھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مرید بنیں، اس نے اللہ کو کہاں پانا ہے۔۔۔؟ پس کامل پیر وہ ہے جسے مریدوں کی تلاش نہ ہو، جسے دنیا کی حرص نہ ہو، جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور جس کا ظاہر و باطن دونوں پاکیزہ ہوں۔

برے خیالات سے حفاظت کا طریقہ

یاد رکھیں! باطن کے اثرات ہمارے ظاہری اعضاء اور ظاہر کے اثرات ہمارے باطن پر مترتب ہوتے ہیں۔ باطن کو پاک کریں گے تو اس کی پاکیزگی اور طہارت ہمارے حواسِ خمسہ کو بھی پاک کرے گی اور ظاہری اعضاء بھی قابو میں رہیں گے۔ اس لیے کہ جو کچھ ہم سنتے ہیں، دیکھتے

ہیں، بولتے ہیں یا حرکت کرتے ہیں، سب کا اثر ہمارے باطن اور دماغ تک پہنچتا ہے۔ جب ہمارے بیرونی اعضا اور حواس کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں تو خیالات بھی پاک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ کے ساتھ اس تجارت میں آگے بڑھنا ہے تو ظاہر و باطن کو پاک کریں۔

لوگ اکثر مجھ سے وظائف پوچھتے ہیں کہ برے خیالات سے بچاؤ کے لئے کوئی وظیفہ بتا دیں۔ یاد رکھیں! اس کا وظیفہ یہ ہے کہ جہاں سے برے خیالات داخل ہوتے ہیں، وہ دروازے بند کر دو۔ اگر گھر کے دروازے بند ہوں تو چور داخل نہیں ہوتا۔ جب آنکھ، زبان، کان، منہ، ہاتھ، پاؤں کی صورت میں موجود دروازے ہر برائی، گناہ، غیبت، چغلی اور برائی کے لیے کھلے ہوں گے تو برے خیالات کا دماغ میں آنا آسان ہو جائے گا۔ جب ان دروازوں سے اچھے اثرات دماغ میں جائیں گے تو دماغ کی فضا پاکیزہ ہوگی، اچھے خیالات پیدا ہوں گے اور پھر یہ پاکیزہ خیالات دل پر اثر ڈالیں گے۔

اگر ہم اللہ کے ساتھ تجارت کرنا چاہتے ہیں اور اسے اپنا مال (دل) اسے بیچنا چاہتے ہیں تو اسے اس قابل بنانا ہوگا کہ خریدار (اللہ) اسے خرید لے کیونکہ جس کا دل اللہ خرید لیتا ہے، پھر وہ دل ہمہ وقت اللہ کی نظر اور توجہ خاص میں رہتا ہے۔

کیا اللہ غلاظتوں سے بھرے ہوئے دل کی طرف نظر کرے گا؟ اسے خریدے گا؟ کیا وہ بری خواہشات سے بھرا ہوا دل خریدے گا؟ کیا وہ برے خیالات کے ہجوم میں ڈوبا ہوا دل خریدے گا؟ نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر دل اللہ کو بیچنا ہے تو دل کو اتنا اجلا کریں، اتنا خوبصورت اور روشن کریں، جیسے ہم اپنے گھر کو صاف کرتے ہیں۔

کیا ہم اپنے رہنے کے لیے گندا گھر قبول کریں گے۔۔۔؟ ایسا گھر جس میں غلاظت کے ڈھیر ہوں، بدبو آ رہی ہو، ٹوٹا پھوٹا ہو اور صفائی نہ ہو تو کیا ہم اسے قبول کرتے ہیں۔۔۔؟ گھر تو دور کی بات اگر کسی واش روم میں گندگی ہو تو ہم اسے استعمال نہیں کرتے۔ پس جب ہم اپنے رہنے کے لیے ستھرا گھر چاہتے ہیں تو اللہ بھی اپنی تجلیات و انوار کے نزول کے لئے پاک دل چاہتا ہے۔ جب ہم اپنا دل اللہ کو بیچیں گے تو وہ بھی اپنے رہنے کے لیے صاف ستھرا دل چاہتا ہے۔ یاد رکھیں! اللہ کو نہ زمین اپنے اندر سمو سکتی ہے، نہ سات آسمان۔ اللہ کو ساری کائناتِ ارضی و سماوی اپنے اندر سمو نہیں سکتی مگر اللہ مردِ مومن اور مردِ عاشق کے دل میں سما جاتا ہے۔ جس کے دل میں اللہ کے عشق کی آگ جل اٹھے، اللہ کی محبت پیدا ہو

جائے، دل ستھرا ہو جائے، اللہ کی محبت کا نور آجائے اور جو دل اللہ کے ساتھ جڑ جائے، وہی دل اللہ کو پسند آتا ہے۔

جس خوش نصیب کے دل کو اللہ نے پسند فرمالیا اور اُسے خرید لیا تو اس کے بدلے میں اللہ اسے اپنی ملاقات عطا کرے گا۔ اللہ کی ملاقات کا ہونا وہ ''وَزِیَادَۃٌ'' ہے، جس کا آیت کریمہ میں وعدہ کیا گیا ہے۔ پس دل کو اس قابل بنائیں کہ اللہ اسے خرید لے اور دل اس قابل تب بنتا ہے جب ظاہر و باطن بھی اس قابل بنے۔ اسی صورت وہ اپنی ملاقات بھی دے گا اور ملاقات کے بعد اپنا دیدار بھی عطا کرے گا۔ یاد رکھیں! یہ ملاقات اور دیدار بغیر محنت کے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ظاہر و باطن کو پاکیزہ کرنا ناگزیر ہے۔

اللہ سے ملاقات کب اور کہاں ہو گی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ملاقات کہاں اور کس وقت ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملاقات کی جگہ مصلیٰ (جائے نماز) ہے۔ یہ ملاقات کی مقررہ جگہ ہے اور ملاقات کا وقت رات کا اندھیرا ہے۔ اس ملاقات کی تیاری کے لیے دن میں پانچ وقت اس کے دروازے پر دستک دینا ہو گی۔ دن میں پانچ وقت مشق کرنا ہو گی، اس کے دروازے پر آنا ہو گا اور مصلیٰ پر کھڑے ہو کر اسے پکارنا ہو گا۔ نماز جلدی جلدی اس طرح نہ پڑھیں کہ کہیں جانا ہے۔ ایسا نہیں کرنا جیسا ہم کرتے اور کہتے ہیں کہ '' بھائی! ایک منٹ انتظار کر، میں نماز بھگتا آؤں۔'' ایسے نہیں! یہ محبوب کی ملاقات کا وقت ہے۔ جب محبوب سے ملاقات ہو تو جلدی نہیں کرتے، دل لگا کر ملاقات کرتے ہیں۔ پس جب نماز پڑھیں تو دل کے ذوق وشوق سے، آنکھیں ہلکی ہلکی بند رکھ کر، مناجات کے ساتھ اور اس سے ہم کلامی کے لطف میں پڑھیں۔ جب روز پانچ وقت اس کے دروازے پر محبت و شوق کے ساتھ آئیں گے تو یہی مشق رات کے اندھیرے میں ملاقات کے دروازے تک پہنچائے گی اور پھر رات کو ملاقات کا دروازہ کھلے گا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں کوہِ طور پر بلایا اور ارشاد فرمایا:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور ہم نے اسے (مزید) دس (راتیں) ملا کر پورا کیا، سو ان کے رب کی (مقرر کردہ) میعاد چالیس راتوں میں پوری ہو گئی۔

کوہ طور پر چالیس راتوں کا یہ قیام اور انتظار دراصل لمحۂ ملاقات کی تیاری تھی۔ جب چالیس راتیں مکمل ہوئیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰکِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ۔ (الاعراف:۱۴۳)

"عرض کرنے لگا: اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں، ارشاد ہوا: تم مجھے (براہِ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے مگر پہاڑ کی طرف نگاہ کرو پس اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو عنقریب تم میرا جلوہ کرلو گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات و زیارت کی اس درخواست پر اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! تجلی تو دیکھ سکتے ہیں، مگر دیدار نہیں۔ معلوم ہوا کہ دیدار و ملاقات کا یہ سودا بہت قیمتی ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو ملاقات کے لیے چالیس دن انتظار کروایا گیا، تو ہمیں چالیس سال بھی اگر انتظار کروا دیا جائے تو یہ مہنگا سودا نہیں، اس لیے کہ بالآخر ملاقات تو ہو جائے گی۔ جب ہم پاکیزگی کی راہ پر آئیں، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں فنا ہوں، اللہ کے اخلاق اور محمدی اخلاق اپنا لیں، زبان، نگاہ، کان، پیٹ ہر چیز پاک ہو جائے اور اخلاقِ حسنہ کے رنگ میں رنگ جائیں، عبادت ذوق و شوق سے ہو، جبین اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے لگے، ہر روز پانچ وقت اس کے دروازے پر کھڑے ہوں، رات کی ملاقات کے لمحے کا انتظار کریں اور یہ عمل استقامت سے جاری رکھیں تو اگر ہمیں چالیس برس بھی انتظار کرایا جائے مگر ملاقات عطا کر دی جائے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔

پس ہمیں چاہیے کہ اس قابل بنیں کہ پاکیزگی کی راہ اختیار کریں، ایمان مضبوط کریں، اعمالِ صالحہ اپنائیں، اخلاقِ حسنہ اختیار کریں، سیرت و کردار کو مزین کریں، سیرتِ نبوی کے مطابق نیک اور صالح بنیں، دنیا کمائیں مگر حسنِ آخرت کو مقدم رکھیں اور ترجیح یہ بنائیں کہ پہلے آخرت، پھر دنیا، تو یقیناً یہ لمحۂ ملاقات و دیدار ہمیں بھی نصیب ہو سکتا ہے۔

(جاری ہے)

الفقہ

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرنگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: عقائد اور اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: انسان کا وجود جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے جسم اور روح دونوں کے الگ الگ تقاضے ہیں اور یہ تقاضے ان کی فطری اور طبعی صلاحیتوں کے مطابق ہیں۔ انسانی جسم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور مٹی میں پستی و گھٹیا پن، ضلالت، گمراہی، حیوانیت و بہیمیت، شیطانیت اور سرکشی جیسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں، اسی لیے نفسِ انسانی فطری طور پر برائیوں کی طرف رغبت دلاتا رہتا ہے۔ گویا گناہوں کی آلودگیاں اور حق سے انحراف نفسِ انسانی کی فطرت میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ (یوسف، ۱۲: ۵۳)

بے شک نفس تو برائیوں کا ہی حکم دیتا ہے۔

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے روح کی صورت میں انسان کے اندر ایک لطیف و نورانی ملکہ بھی ودیعت کر دیا ہے جس کے تقاضے بدی و نیکی کی تمیز، حق پرستی، صداقت و امانت اور نفس کی تہذیب و تطہیر سے پورے ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ (الشمس، ۹۱: ۸)

”پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی۔“

اور ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد، ۹۰: ۱۰)

”اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے۔“

گویا انسان کے اندر برائی اور اچھائی، بدی و نیکی، خیر و شر دونوں طرح کے میلانات ازل سے ودیعت کر دیئے گئے۔

ان دونوں کے درمیان تضاد، تصادم اور ٹکراؤ کی کیفیت قائم رہتی ہے اور جب تک یہ کشمکش قائم رہے انسان کی زندگی عجیب قسم کے تضادات اور بگاڑ کا شکار رہتی ہے۔ اسی بگاڑ سے بے راہ روی، ظلم و استحصال، فسق و فجور جنم لیتے ہیں اور انسانی شخصیت اپنے اندرونی انتشار کی وجہ سے بے سکون و بے اطمینان رہتی ہے۔ یہی کیفیت انسان کے اعمال و عقائد میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ ایسی صورتحال کے تدارک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ۔

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اگر انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔ (مالک، الموطأ، کتاب: القدر، باب: النهي عن القول بالقدر، ۲: ۸۹۹، الرقم: ۱۵۹۴)

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے جڑے رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ دیگر روایات میں قرآن مجید اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي.

میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ پھر آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کے اَحکامات پر عمل کرنے پر) اُبھارا اور اس کی طرف ترغیب دلائی۔ اور پھر فرمایا: دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔ (مسلم، الصحیح،

كتاب: فضائل الصحابة رضی اللہ عنھم، باب: من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، ۴: ۱۸۷۳، الرقم: ۲۴۰۸)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ: كِتَابُ اللهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي. وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا.

میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے: اللہ تعالیٰ کی کتاب آسمان سے زمین تک بندھی ہوئی رسی کی طرح ہے؛ اور میری عترت یعنی اہلِ بیت ہیں۔ اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

(ترمذي، السنن، كتاب: المناقب، عن رسول الله ﷺ، باب: مناقب أهل بيت النبي ﷺ، ۵: ۶۶۳، الرقم: ۳۷۸۸)

ان روایات میں رسول اللہ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں گمراہی کے تدارک کا لائحہ عمل بھی بتادیا ہے۔ اس لیے جو مسلمان کتاب و سنت اور عترتِ رسول سے دور ہو جائے تو اس کے عقائد و اعمال میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال: ضروریات دین کا اثبات کن دلائل سے ہوتا ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک ضروریاتِ دین ہی ضروریات اہلِ سنت بھی ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی فرضیت اور زنا، قتل، چوری اور شراب خوری کی ممانعت، رسول اکرم ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا اقرار وغیرہ جیسے احکام قطعیہ کو ضروریاتِ دین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اولین ضرورت یہ ہے:

تصدیق ما جاء به النبی ﷺ

جو کچھ نبی علیہ السلام لائے ہیں اس کی دل سے تصدیق کرنا۔

ایمان بالغیب، اقامتِ صلوۃ، ایتائے زکوۃ، رسولوں، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا الغرض رسولِ خدا ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سمیت آپ کی عنایت کردہ تمام تعلیمات کو بلاشک و شبہ دل سے تصدیق کرنا اور یقین رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور یہی ضروریاتِ اہلِ سنت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات واختلافات میں حکم نہ بنادیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں۔ (النساء، ۴: ۶۵)

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام شہاب الدین محمود آلوسی فرماتے ہیں:

فقد روی عن الصادق انه قال لو ان قوما عبدوالله تعالیٰ واقامواالصلوٰۃ وآتوا الزکوۃ وصاموا رمضان وحجواالبیت ثم قالوالشئی صنعه رسول الله الآّصنع خلاف ماصنع او وجدوا فی انفسهم حرجاً لکانوا مشرکین۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ شریف کا حج کرے مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور ﷺ سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔ (آلوسی، روح المعانی، ۵: ۶۵)

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام کو دل وجان سے تسلیم کیا جائے۔

ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہیں اور تمام اقسام کا حکم بھی مختلف ہے۔ کفر کا حکم صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی۔ اگر کوئی شخص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ احکام کو تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور ان کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے تو وہ ضروریاتِ دین کا منکر ہونے کی وجہ سے اہلِ قبلہ میں شامل نہیں رہتا۔

لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو فاسق اور گمراہ، مگر اہلِ اسلام میں شامل ہے۔

احکام کے قطعی الثبوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا احادیثِ متواترہ سے ہو، اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید یا حدیث متواترہ میں اس حکم کے متعلق

وارد ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم و مراد کو صاف صاف بیان کرتی ہو، اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

سوال: نمازوں کو جہراً اور سراً پڑھنے کی حکمت کیا ہے؟

جواب: پہلی بات یہ کہ یہ امور تعبدی ہیں یعنی جیسے شارع علیہ السلام نے ان کو ادا کرنے کا حکم دیا، ویسے ہی ان کو بغیر کسی تبدیلی اور شک وشبہ کے ادا کرنا چاہیے۔ ہمیں اس کی حکمت و مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہری اور سری نمازوں کو ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے بغیر کسی شک وشبہ کے ان پر عمل کیا جائے گا جیسے ہمیں حکم ملا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کی جو حکمت و مصلحت بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا

اور نہ اپنی نماز (میں قرات) بلند آواز سے کریں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں اور دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار فرمائیں۔ (بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۱۰)

ہمیں درمیانی راستہ اپنانے کا حکم دیا گیا کیونکہ شروع میں جب مسلمان نماز پڑھتے تو ساری نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے اور کفار کو یہ پسند نہ تھا، لہذا وہ مسلمانوں کے قریب آکر شور وغل کرتے، سیٹیاں بجاتے اور مسلمانوں کو نماز ادا نہیں کرنے دیتے۔ وہ اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہتے، گستاخی کرتے اور توہین کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نہ تو اتنی اونچی آواز میں پڑھو کہ کفار سن کر بے ادبی و گستاخی کریں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ تم خود بھی نہ سن سکو۔ لہذا درمیانی آواز میں قرأت کر لیا کرو۔

فجر اور عشاء کے وقت کفار سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے پینے میں مشغول ہوتے تھے، اس لئے ان تین اوقات میں حکم دیا کہ جہراً نماز ادا کی جائے کیونکہ کفار ان اوقات میں کھانے پینے اور سونے میں مشغول ہوتے ہیں مسلمانوں کو تنگ نہیں کر سکتے، لہذا جہرا نماز کا حکم دیا گیا۔ ظہر اور عصر کے وقت کفار دن بھر گھومتے رہتے تھے۔ اس لئے ان نمازوں میں آہستہ آواز سے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ کفار مسلمانوں کو تنگ نہ کر سکیں اور قرأت کی آواز سن شور وغل نہ کر سکیں۔

اعتدال اور میانہ روی کے نتائج واثرات

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

گزشتہ سے پیوستہ

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ:۱۴۳)

" اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے لفظ "وسط" کو امتِ مسلمہ کی خوبی، خصلت اور وصف کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ وسط کا مطلب؛ اعتدال، خیر خواہی، توازن، میانہ روی اور عدل ہے۔ اللہ رب العزت اسی اعتدال پسندی، میانہ روی اور سوچ و فہم کے توازن کو ہماری پوری زندگی میں جھلکتا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا نظامِ حیات اسی اعتدال و توازن کا مظہر ہو۔ یعنی ہماری شخصیت متوازن ہو۔۔۔ ہماری سوچ متوازن ہو۔۔۔ ہمارا طرزِ عمل، طرزِ زندگی اور ہمارے سوچنے سمجھنے کا انداز متوازن ہو۔۔۔ ہمارا چلنا، پھرنا، رہنا سہنا، الغرض زندگی کا ہر پہلو وسطیہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ہمارے لین دین اور مالی معاملات میں بھی وسطیہ کی خوبی جھلکتی نظر آنی چاہیے۔

قرآنِ مجید میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے والوں کی درج ذیل صفات اور خوبیاں بیان ہوئی ہیں:

۱۔ پیکرِ عدل ۲۔ پیکرِ استقامت
۳۔ سراپا حکمت ۴۔ پیکرِ خیر و بھلائی

ان میں سے پہلی دو صفات کو اس مضمون کے گذشتہ حصہ (شائع شدہ ماہ نومبر 2025ء) میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اگلی دو صفات کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

(۳) سراپا حکمت

اعتدال پسندی اور وسطیت کی راہ اپنانے والوں کی تیسری خوبی ''حکمت'' ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو آج کے مصطفوی نوجوان میں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (البقرہ:۲۶۹)

'' جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی۔''

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو اللہ رب العزت نے اسی حکمت و دانائی سے نوازا ہے۔ اسی حکمت کی بدولت آپ نے اس مشن کو پروان چڑھایا۔ ان کی دانائی، بصیرت، استقامت اور اعتدال پر مبنی فکر نے انہیں کامیابی عطا کی۔ اب یہی ہمارا سفر ہے، یہی ہمارا ہتھیار، یہی ہمارا قلم، یہی ہماری پہچان ہے۔ جب ہماری زندگی کا توازن (life equilibrium) بگڑتا ہے، تو سمجھ لیں کہ ہمارا اعتدال اور میانہ روی یعنی ہماری وسطیت کمزور پڑ رہی ہے۔

(۴) پیکرِ خیر و بھلائی

اعتدال و میانہ روی پر قائم رہنے والوں کی چوتھی خوبی ''پیکرِ خیر ہونا'' ہے۔ یعنی اعتدال والے ہمیشہ خیر کی بات کرتے ہیں۔ جو لوگ اعتدال کے حامل ہوتے ہیں، وہ دراصل رحمت کے امین ہوتے ہیں۔ جہاں خیر ہو گی وہاں رحمت ہو گی، اور جہاں رحمت ہو گی وہاں خیر ضرور ہو گی۔ اگر انھیں کوئی برا بھلا بھی کہتا رہے، تب بھی وہ اس کے دامن میں کچھ نہ کچھ ڈالتے رہتے ہیں کیونکہ خیر والے؛ دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں۔ جو لوگ متوازن طبیعت کے مالک ہوں، روادار، عاجزی و انکساری والے اور میانہ رو ہوں، وہی دراصل پیکرِ رحمت، پیکرِ خیر، پیکرِ حکمت اور پیکرِ توازن ہوتے ہیں۔

اعتدال و توازن اور وسطیت کے اثرات

اعتدال و توازن اور وسطیت کو اختیار کرنے کے بعد اگر انسان میں درج ذیل اثرات پیدا ہو جائیں تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ میانہ روی اپنے مقامِ تکمیل تک پہنچ گئی ہے اور اگر یہ اثرات و نتائج موجود نہ

ہوں تو وہ جان لے کہ میانہ روی ابھی گرداب میں ہے، منزل تک نہیں پہنچی۔ یہ ایک پیمانہ ہے، جسے ہمیں اپنے اوپر لاگو کرنا ہوگا:

(۱) روح اور جسم کے تقاضوں میں توازن

یاد رکھیں! جب انسان میں اعتدال و توازن اور وسطیت آتی ہے تو یہ اس کی روح اور جسم کے درمیان بھی پیدا ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ صرف ظاہری تقاضوں کے مابین توازن و اعتدال رکھتا ہے بلکہ وہ ظاہر و باطن، جسم و روح دونوں کے تقاضوں کو احسن طور پر پورا کرتا ہے۔ جب بندہ اپنی سوچ، فکر، نظریہ، میلان، رجحان، خواہشات اور معاملاتِ حیات میں توازن قائم کر لیتا ہے، تب وہ کامل اور متوازن شخصیت کا مالک بنتا ہے۔ یہ توازن تب پیدا ہوتا ہے جب روح اور جسم دونوں کو افراط و تفریط سے بچایا جائے۔ روح کو اس کی حد میں اور جسم کو اس کی حد میں قائم رکھا جائے۔ اگر روح جسم کی حد میں داخل ہو جائے، یا جسم روح کی حد پار کر جائے تو توازن بگڑ جاتا ہے۔ اپنی اپنی حدود میں رہنے سے منزل جلدی ملتی ہے، اور یہی توازن کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک خوبصورت مثال نمازِ جمعہ کے حکم میں دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (الجمعہ: ۹)

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لیے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“

یہی اعتدال، اقتصاد اور وسطیت ہے کہ انسان کام بھی کرے، مگر اللہ کو نہ بھولے۔ اللہ نے پہلے عمل کی مشق کروائی، پھر دنیا میں رہنے کا اصول سکھایا کہ کاروبار کرو مگر اللہ کو یاد رکھو۔ پہلے فرمایا کہ جب اللہ کی طرف بلایا جائے تو کاروبارِ حیات معطل کرتے ہوئے، کشاں کشاں ذکرِ الٰہی کی طرف آؤ۔۔۔ اور پھر فرمایا کہ جب اللہ کی عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے کام اور روزگار کی طرف لوٹ جاؤ۔۔۔ اور پھر تیسرا حکم دیا کہ جب اپنے کاروبارِ حیات کی طرف لوٹو تو اس میں اتنا نہ کھو جاؤ کہ اللہ کو بھلا بیٹھو بلکہ کام کے دوران بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو۔

آج ہمارا شیرازہ اس وجہ سے بکھر گیا ہے کہ ہم دنیا میں جائیں تو دین بھول جاتے ہیں اور دین میں آئیں تو دنیا بھول جاتے ہیں۔ کوئی دیندار ہو کر افراط میں چلا جاتا ہے اور کوئی دنیادار ہو کر تفریط میں گم ہو جاتا ہے۔ کبھی الحاد و دہریت کی طرف جھکاؤ۔۔۔ کبھی سیکولرزم کی انتہا۔۔۔ کبھی دین داری کی

شدت۔۔۔ کوئی خوشحالی میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب دنیا کا دکھ ملے تو ناشکری میں چلا جاتا ہے۔۔۔ صحبت اچھی مل جائے تو اللہ یاد آتا ہے اور جب صحبت بدلے تو اللہ بھول جاتا ہے۔ الغرض ہم کہیں نہ کہیں توازن کھو بیٹھتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے: جب میری خاطر رزق کماؤ تو مجھے یاد رکھو۔ میں ہی برکت دینے والا ہوں اور جب برکت ملے تو مجھے مت بھولو اور اس حال میں رزق کماؤ کہ اللہ بھی یاد رہے۔ رزق کماؤ اور دنیا والوں کے حقوق بھی ادا کرتے رہو، مگر ہر حال میں کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ یہی حقیقی میانہ روی اور اعتدال ہے۔

(۲) دنیاوی معاملات اور روزگار میں توازن قائم رکھنا

انسانی شخصیت میں کامل اعتدال و توازن کا ایک اثر و نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ بندہ دنیاوی معاملات میں بھی توازن قائم رکھتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ (القصص:۷۷)

”اور تو اس (دولت) میں سے جو اللہ نے تجھے دے رکھی ہے آخرت کا گھر طلب کر، اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے۔“

یعنی اللہ نے جو نعمتیں، رزق اور اسباب دیے ہیں، ان سے جنت کا گھر بنانے کی کوشش کر۔ نیکی کر، انفاق کر، غریبوں پر خرچ کر، کیونکہ تیرے مال میں ان کا حق رکھا گیا ہے مگر ساتھ ہی اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں اپنا نصیب نہ بھولو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ دین کے غلبہ میں دنیا بھول جاؤ یا دنیا میں غرق ہو کر دین بھول جاؤ۔ دونوں کے درمیان توازن قائم رکھو۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری فرماتے ہیں کہ ”دنیا میں رہو، مگر دنیا کو اپنے اندر نہ رہنے دو۔“ ہمارا مسئلہ یہی ہے کہ ہم توازن قائم نہیں کر پاتے، کیونکہ ہم نے خود کو اللہ کا بندہ نہیں بنایا۔ اگر ہم مطیع بن جائیں تو اللہ ہمیں غرق ہونے سے بچا لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ (البقرہ:۲۰۱)

” اور انہی میں سے ایسے بھی ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔“

گویا جو لوگ دنیا اور آخرت کی بھلائی کو برابری سے چاہتے ہیں، وہی دراصل متوازن اور معتدل ہوتے ہیں۔

(۳) ہر حال میں میانہ روی و اعتدال

شخصیت میں کامل اعتدال و توازن ہونے کا تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں میانہ روی و

اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ میانہ روی ہر حال میں ہونی چاہیے۔ چاہے دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ روزگار کا ہو یا مسجد میں جانے کا یا مسجد سے واپس آ کر کاروبار میں مشغول ہونے کا۔ ہر جگہ میانہ روی اختیار کریں۔ حتیٰ کہ بندہ انسانیت یعنی غیر مسلموں کے ساتھ بھی اسی میانہ روی والے لہجے کو اپنائے کیونکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنہ:۸)

”اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

گویا جب تمہیں حکومت و اقتدار دے دیا جائے اور جب تمہاری نصرت کا دن ہو، تو ان کے ساتھ بھلائی، انصاف اور عدل کے ساتھ سلوک کرنا۔ آقا علیہ السلام نے فتح مکہ کے موقع پر تمام کفار کو معاف کر دیا اور ان ہی الفاظ کو بیان فرمایا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف:۹۲)

”آج کے دن تم پر کوئی ملامت (اور گرفت) نہیں ہے۔“

معتدل شخص وہ ہوتا ہے جو ہر ایک سے ایک ہی انداز میں معاملہ نہیں کرتا بلکہ جس کا جتنا جرم ہے، اتنی ہی معاقبت کرتا ہے، اور جس کا جرم نہیں، اسے معاف کرنے والا دل رکھتا ہے۔

شریعت کے معاملے میں بھی اللہ رب العزت نے توازن و میانہ روی عطا کی ہے۔ فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرہ:۲۸۶)

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا۔ (الطلاق:۷)

”اللہ کسی شخص کو مکلف نہیں ٹھہراتا مگر اسی قدر جتنا کہ اُس نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔“

گویا جتنا بوجھ ڈالتا ہے اور جتنا عطا کرتا ہے اتنا ہی مکلف کرتا ہے، اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا وسکنوا ولا تنفروا۔

”آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو، لوگوں کو تسلی اور تشفی دو نفرت نہ دلاؤ۔“ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی ﷺ: یسروا ولا تعسروا، رقم الحدیث: ۶۱۲۵)

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی بنایا۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا اور پوچھا، کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا:

اخوك ابو الدرداء ليس له حاجة فی الدنيا

تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔

پھر ابودرداء تشریف لائے تو سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کھایئے، میں روزے سے ہوں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بولے کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا۔ جب تک آپ بھی نہ کھائیں۔ چنانچہ ابودرداء نے بھی کھایا۔ رات ہوئی تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کی تیاری کرنے لگے۔ سلمان نے کہا کہ سو جایئے۔ پھر جب آخر رات ہوئی تو سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اٹھیں۔ پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

إن لربك عليك حقا ولنفسك عليك حقا ولاهلك عليك حقا فاعط كل ذی حق حقه۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب صنع الطعام والتكلف للضيف، رقم الحدیث: ۶۱۳۹)

بلاشبہ تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، پس سارے حق داروں کے حقوق ادا کرو۔

پھر یہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

صَدَق سَلمان۔ سلمان نے سچ کہا ہے۔

☆ حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عبادت میں بے اعتدالی کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:

الم اخبر انك تقوم الليل وتصوم النهار" قلت: بلى، قال:" فلا تفعل قم ونم وصم وافطر، فإن لجسدك عليك حقا، وإن لعينك عليك حقا، وإن لزورك عليك حقا، وإن لزوجك عليك حقا، وإنك عسى ان يطول بك عمر، وإن من حسبك ان تصوم من كل شهر ثلاثة ايام، فإن بكل حسنة عشر امثالها فذلك الدهر كله" قال: فشددت فشدد علی، فقلت: فإنی اطيق غير ذلك، قال:"

فصم من کل جمعة ثلاثة ایام" قال: فشددت فشدد علی، قلت: اطیق غیر ذلک، قال:" فصم صوم نبی اللہ داود" قلت: وما صوم نبی اللہ داود؟ قال:" نصف الدھر"۔

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب حق الضیف، رقم الحدیث: ۶۱۳۴)

کیا یہ میری خبر صحیح ہے کہ تم رات بھر عبادت کرتے رہتے ہو اور دن میں روزے رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ جی ہاں یہ صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، عبادت بھی کرو اور سو بھی۔ روزے بھی رکھو اور بلا روزے بھی رہو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تم سے ملاقات کے لیے آنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ امید ہے کہ تمہاری عمر لمبی ہو گی، تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینہ میں تین روزے رکھو، کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملتا ہے، اس طرح زندگی بھر کا روزہ ہو گا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے سختی چاہی تو آپ نے میرے اوپر سختی کر دی۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہر ہفتے تین روزہ رکھا کر، بیان کیا کہ میں نے اور سختی چاہی اور آپ نے میرے اوپر سختی کر دی۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام جیسا روزہ رکھ۔ میں نے پوچھا کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا روزہ کیسا تھا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ ایک دن افطار۔ گویا آدھی عمر کے روزے۔

☆ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ میں نے کہا ہے:

وَاللهِ لَأَصومَنَّ النَّهَارَ، ولأَقُومَنَّ اللَّيْلَ مَا عِشْتُ، فَقَالَ رسُول الله ﷺ: "أَنْتَ الَّذِی تَقُول ذٰلِكَ؟ فَقُلْت لَهُ: قَدْ قُلْتُه بأَبِي أَنْتَ وأُمِّي يَا رسولَ الله. قَالَ: فَإِنكَ لاَ تَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ، فَصُمْ وأَفْطِرْ، ونَمْ وَقُمْ، وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْحسنَةَ بعَشْرِ أَمْثَالها، وذلكَ مثْلُ صِيامِ الدَّهْرِ قُلْت: فَإِنِّي أُطيق أفْضَلَ منْ ذلكَ قال: فَصمْ يَوْماً وَأَفْطِرْ يَوْمَيْنِ، قُلْت: فَإِنِّي أُطيق أفْضَلَ مِنْ ذلكَ، قَالَ: فَصُم يَوْماً وَأَفْطِرْ يوْماً، فَذلكَ صِيام داوود ﷺ، وَهُو أَعْدَلُ الصِّيَامِ وَفي رواية: هوَ أَفْضَلُ الصِّيامِ فَقُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ أَفْضَلَ مِنْ ذلكَ، فَقَالَ رسولُ الله ﷺ: لا أَفْضَلَ مِنْ ذلِكَ وَلأَنْ أَكُونَ قَبلْتُ الثَّلاثَةَ الأَيَّامِ الَّتِي قالَ رسولُ الله ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهلِي وَمَالِي. (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صَوْمِ الدَّھرِ، رقم الحدیث: ۱۹۷۶)

"اللہ کی قسم! میں ضرور دن کو روزہ رکھوں گا، اور ضرور رات کو قیام کروں گا، جب تک زندہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم وہی ہو جو یہ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: "جی ہاں، اے اللہ کے

رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے ایسا ہی کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک تم اس (عمل) کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس روزہ رکھو (کبھی) اور افطار بھی کرو، سو جاؤ اور (رات میں) قیام بھی کرو۔ اور ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھا کرو، کیونکہ ایک نیکی دس گنا ہوتی ہے، تو یہ (اجر کے اعتبار سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ میں نے عرض کیا: "بے شک میں اس سے بھی بہتر (زیادہ) کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو۔" میں نے کہا: "میں اس سے بھی زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو، یہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، اور یہ سب سے زیادہ معتدل روزہ ہے۔" ایک روایت میں (الفاظ یہ ہیں) "یہ سب سے بہتر روزہ ہے۔" میں نے عرض کیا: "میں اس سے بھی بہتر (زیادہ) کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس سے بہتر کوئی (روزہ) نہیں۔" اور (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: "اگر میں وہ تین دن قبول کر لیتا جن کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی تھی، تو یہ مجھے اپنے اہل و مال سے زیادہ محبوب ہوتا۔"

آقا ﷺ نے زندگی کا ایک متوازن، معتدل اور حقیقی نقشہ عطا فرمایا۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے نبی اکرم ﷺ کے گھر میں تشریف لے جانے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

إذا اوى إلى منزله جزا دخوله ثلاثة اجزاء: جزءا لله، وجزءا لاهله، وجزءا لنفسه۔ ثم جزا جزاه بينه وبين الناس، فيرد ذلك بالخاصة على العامة، ولا يدخر عنهم شيئا، وكان من سيرته فى جزء الامة إيثار اهل الفضل بإذنه وقسمه على قدر فضلهم فى الدين، فمنهم ذو الحاجة، ومنهم ذو الحاجتين، ومنهم ذو الحوائج، فيتشاغل بهم ويشغلهم فيما يصلحهم والامة۔

(شمائل ترمذی، ﷺ، رقم الحدیث: ۳۳۵)

نبی اکرم ﷺ جب اپنے گھر تشریف لے جاتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیتے: ایک حصہ اللہ تعالیٰ (کے ذکر و فکر) کے لیے، ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے لیے، اور ایک حصہ اپنے کام کاج اور آرام کے لیے۔ پھر وہ حصہ جو اپنے لیے مخصوص فرماتے، اسے دو حصوں میں تقسیم کر لیتے: کچھ اپنے لیے اور کچھ دیگر لوگوں کے لیے۔ لوگوں کے حصہ میں خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، اور ان سے کوئی چیز مخفی نہ رکھتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اجازت کے ساتھ اہل فضل و علم کو ترجیح دیتے اور اس وقت کو بھی دینی فضل و عظمت کے لحاظ سے تقسیم فرما لیتے۔ بعض لوگ ایک ضرورت والے ہوتے، اور بعض لوگ دو ضرورتوں والے، اور بعض زیادہ ضرورتوں والے ہوتے۔ آپ ﷺ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مشغول رکھتے اور ان تمام امور میں مشغول رہتے جن میں ان لوگوں کی اور عام افرادِ امت کی اصلاح ہوتی۔

آپ ﷺ کا وقت اور کام کی یہ تقسیم (Division of Time and Work) ہمیں زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال و توازن کو اپنانے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

آج اگر ہم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زندگی کی طرف دیکھیں تو انھوں نے بھی اسی اعتدال و توازن کی سوچ اور عمل کو اپنایا۔ انھوں نے آج ہر جہت پر کام کیا ہے۔ اسلام کی ہر ضرورت کو پورا کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی مد نظر رکھا۔۔۔ ماضی سے بھی رہنمائی لی۔۔۔ اور مستقبل کے چیلنجز کو بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے وقت کو ایک balanced approach کے ساتھ استعمال کیا۔

آپ 100 ممالک میں موجود منہاج القرآن کے نیٹ ورک پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ پوری دنیا میں کارکنان و تنظیمات سے بھی رابطہ میں رہتے ہیں۔۔۔ اہل خانہ کو بھی وقت دیتے ہیں۔۔۔ علمی، فکری اور تحقیقی سرگرمیوں میں بھی تعطل نہیں آنے دیتے۔۔۔ مشن کے ہر زاویے پر نظر رکھتے ہیں۔۔۔ تعلیم و تربیت بھی ساتھ جاری ہے۔۔۔ زخمی کارکن ہو تو اس کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔۔۔ غم و خوشی میں بھی رابطہ کرتے ہیں۔

یہ سب ایک متوازن اور جامع طرزِ فکر و عمل (balanced approach) کا نتیجہ ہے، جس کے سبب اللہ رب العزت نے اس مشن کو اس مقام تک پہنچایا ہے۔ شیخ الاسلام آج اگر خود ایک Role model نہ بنے ہوتے تو یہ مصطفوی مشن اسی طرح رواں دواں نہ ہوتا۔ ان کا نمونۂ عمل حضور ﷺ کی ذات اقدس سے ہے اور آقا ﷺ کا نمونہ قرآن ہے اور قرآن اللہ رب العزت کی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ جب ہم اسی Role model پر چلیں گے تو ہماری زندگیوں میں بھی توازن اور اعتدال پیدا ہوگا۔

آج کے نوجوان کا توازن بگڑ گیا ہے۔ ہم آج کا کام کل کرتے ہیں اور کل کا کام آج کرتے ہیں۔۔۔ جو پہلے کرنے والا ہے، وہ بعد میں کرتے ہیں اور جو بعد میں کرنے والا ہے، وہ پہلے کرتے ہیں۔۔۔ جن کا حق بعد میں ادا کرنا ہوتا ہے، اُن کا حق پہلے ادا کرتے ہیں اور جن کے حق کی ابھی ضرورت نہیں ہوتی، اُنہیں مقدم کر دیتے ہیں۔ یوں ہماری ترجیحات بدل گئیں اور فکر کا توازن بگڑتا چلا گیا۔ آج اگر ہم کامیاب بننا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ استقامت، توازن اور ایک متوازن نقطۂ نظر (balanced approach) کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اپنی ترجیحات کی تقسیم (division) کریں، دوبارہ جائزہ (review) لیں اور اپنے کاموں کو درست ترتیب میں رکھیں۔ عدل کی تعریف یہ ہے:

وَضْعُ الشَّيْءِ فِي مَحَلِّهِ

ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھ دینا عدل ہے۔

عدل؛ وسطیت اور اعتدال پسندی کی پہلی صفت ہے۔ اگر ہم عادل رہنما، لیڈر اور مصطفوی کارکن بننا چاہتے ہیں تو جس میدان کی ذمہ داری پہلے ہے، جس کی اہمیت زیادہ ہے، اسے پہلے ادا کریں۔ زندگی میں توازن رکھیں۔۔۔ گھر والوں کا حق بھی ادا کریں اور اپنے کاروبار پر توجہ بھی دیں۔ کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم محتاج ہیں۔ محتاج وہ ہوتا ہے جس کا ساتھ اللہ چھوڑ دے اور اللہ تو انسان کے ننانوے مرتبہ گناہ کرنے کے باوجود اسے نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا محتاجی اس کی ہوتی ہے جو محرومی کا شکار ہو جائے اور جو اعتدال پسندی کو ترک کر دے۔ جب تک کوئی شخص اعتدال پسند رہے گا، وہ محتاج نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اقتصادی (economically)، مالی (financially)، روحانی (spiritually)، علمی (theologically) اور فکری (intellectually) طور پر اعتدال و توازن والے رویے، مزاج اور تربیت کو اپنی طبیعت میں پیدا کریں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی استقامت

ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی
ریسرچ سکالر فرید ملت
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

اسلام کی تاریخ میں بارہا ایسے لمحات آئے ہیں جب ایک تنِ تنہا شخصیت کی بصیرت، جرأت اور استقامت پوری امت کے لیے نئی زندگی کا پیام بن کر اُبھری۔ عہدِ نبوی ﷺ کے اختتام کا سانحہ یقیناً امت کے لیے غیر معمولی صدمہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جدائی کے تصور نے جہاں دلوں کو بوجھل کیا، تو وہیں ایک فطری اضطراب نے جنم لیا کہ اب اہلِ ایمان کی اجتماعی وحدت کس بنیاد پر قائم رہے گی؟ ایسے نازک اور کٹھن مرحلے پر حفاظتِ دین اور وحدتِ امت؛ دو ایسے بنیادی تقاضے تھے جن پر امتِ مسلمہ کا آئندہ سفر موقوف تھا۔

اسی فیصلہ کن گھڑی میں جو قیادت آگے بڑھی، وہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکت تھی۔ وہ شخصیت جس نے صحبتِ مصطفیٰ ﷺ میں ایمان کی ایسی حرارت پائی تھی کہ جس کے سامنے کمزوری، تذبذب یا پیچھے ہٹنے کا کوئی امکان باقی نہ رہتا تھا۔۔۔ وہ عظیم ہستی جن کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ”خیر هذه الأمة بعد نبيها“ یعنی امت میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے بہترین انسان“ کے الفاظ استعمال فرمائے۔۔۔ جن کی روحانی لطافت اور قلبی گداز کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اہلِ معرفت میں آپ کا لقب ”أوّاہ“ مشہور ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے

بقول: ”کان یسمّی الأوّاہَ لِمُراقبَتِہ“، یعنی آپ کو اللہ کی ہمہ وقت نگرانی میں ہونے کے شعور اور گہری روحانی کیفیت کے سبب آہ وزاری کرنے والا کہا جاتا تھا۔

یہی اعلیٰ کردار، اونچا اخلاق، گہری بصیرت، عمدہ سیرت، خشیت اور باطنی بیداری وہ سرمایہ تھا جس نے آپ کو بحرانوں کے طوفان میں بھی تزلزل سے محفوظ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جس حکمتِ عملی کے ساتھ فتنۂ ارتداد کو فرو کیا، منکرینِ زکوٰۃ کی سرکشی کو ختم کیا، جھوٹے مدعیانِ نبوت کا باب بند کیا اور قرآنِ مجید کی جمع وتدوین کا تاریخی فیصلہ فرمایا، یہ سب محض انتظامی اقدامات نہ تھے؛ یہ وہ سنگِ میل تھے جنھوں نے تحفظِ دین اور وحدتِ امت کی بنیادوں کو ایک مرتبہ پھر مضبوط و مستحکم کر دیا۔

آج کا مسلمان بھی فکری یلغار، اخلاقی انتشار، تشکیک کے طوفان، سیاسی بے سمتی اور تہذیبی بے یقینی کے دوراہے پر کھڑا ہے۔ ایسے میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت، آپ کی خلافت کے فیصلے، اور آپ کے استقامت آفریں نمونے پہلے سے بڑھ کر معنویت اختیار کر جاتے ہیں۔

زیرِ نظر سطور میں ہم انھی چند پہلوؤں پر اپنے قارئین کے لیے رہنمائی پیش کریں گے، جن میں ہمارے آج کے زخموں کا مداوا اور ہمارے مستقبل کی سمت متعین کرنے کی صلاحیت پوشیدہ ہے۔

ا۔ عہدِ نبویؐ کے بعد کا بحران: ایک تاریخی پسِ منظر

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں ایسے بے شمار پہلو پوشیدہ ہیں، جو ہر بدلتے ہوئے دور میں امت کو رشد و ہدایت عطا کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوری بعد امت یکایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہو گئی جہاں تین بڑے بحران بیک وقت سر اٹھا رہے تھے:

ا۔ پہلا بحران سیاسی خلاء اور قیادت کا تھا، کیوں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین کے مابین ہونے والی مشاورت نے واضح کر دیا کہ امت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ قیادت کے تعین میں معمولی لغزش بھی جنگی، معاشرتی اور مذہبی انتشار کو جنم دے سکتی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بر وقت بصیرت نے اس خلاء کو وحدت کے اصول پر پُر کیا اور امت کو سیاسی انتشار سے محفوظ رکھا۔

۲۔ دوسرا بحران فتنۂ ارتداد تھا۔ اہلِ تاریخ کے مطابق جزیرۂ عرب کے بہت سے قبائل مختلف درجات میں مرکز سے دوری، ارتداد یا بغاوت کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ کہیں زکوٰۃ کے انکار کی شکل

میں، کہیں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی پیروی میں اور کہیں قبائلی خود مختاری کے نام پر۔ یہ خطرہ محض چند بغاوتوں کا مجموعہ نہیں تھا بلکہ پورے نظامِ دین کے خلاف ایک منظم طوفان بن چکا تھا۔

۳۔ تیسرا بحران دین کی اساس پر حملہ تھا اور وہ اس طرح کہ یہ بحران محض سیاسی نوعیت کا نہ تھا؛ بلکہ اس نے نماز، زکوٰۃ، نبوت کے تقدس، وحدتِ امت اور ریاستِ مدینہ کی مرکزیت سمیت دین کی بنیادی ساخت کو متزلزل کرنے کی کوشش کی۔ اس مقام پر معمولی نرمی، فیصلوں میں تذبذب اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو ہلا سکتی تھی، مگر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر وہ استقامت دکھائی جس نے دین کی عمارت کو دوبارہ مضبوط کر دیا۔

۲۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت کا اصولی خاکہ

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت چند ایسے اصولوں پر استوار تھی جنہوں نے نہ صرف ارتداد کے ہولناک طوفان کو روکا بلکہ اسلامی ریاست کے فکری، اخلاقی اور سیاسی توازن کو ازسرِنو بحال کیا:

۱۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مزاجِ قیادت کا پہلا وصف یہ تھا کہ دین کے معاملے میں غیر متزلزل سختی اور اخلاق میں بے مثال نرمی یکجا ہو گئی تھی۔ امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور دیگر کئی اہل علم بشمول امام ذہبی تاریخ اسلام اور علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ النبویۃ میں روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے مرتکبین کے خلاف فوری اقدام سے تردد ظاہر کیا تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا:

أجبار في الجاهلية خوار في الإسلام۔

جاہلیت میں سخت تھے، کیا اسلام میں کمزور ہو جاؤ گے؟

یہ ایک فقرہ نہیں بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت کی پوری روح ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے نہ تردد، نہ تذبذب، نہ سیاسی پس و پیش۔

۲۔ اسی اصول کا دوسرا رخ یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دین کے احکام میں جزئی و کلی کا کوئی الگ مقام نہ تھا۔ زکوٰۃ کا انکار ہو یا نبوت کے تقدس پر حملہ، آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں دین کے بنیادی ڈھانچے پر وار تھے۔

امام رازی اپنی تفسیر (ج:۱۵، ص:۱۸۶) میں لکھتے ہیں:

وكان ابن مسعود يقول: رحم الله أبا بكر ما أفقهه في الدين۔

یعنی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے: اللہ ابو بکر پر رحمتیں نازل فرمائے، انہیں دین کا کتنا فہم حاصل تھا۔ پھر فرمایا:

أراد به ما ذكره أبو بكر في حق مانعي الزكاة، وهو قوله: والله لا أفرق بين شيئين جمع الله بينهما

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کی مراد حضرت ابو بکر ؓ کی مانعین زکوٰۃ کے بارے میں بیان کردہ وہ واضح اور دوٹوک تنبیہ تھی جس میں آپ ؓ نے فرمایا: بخدا جن دو چیزوں (نماز اور زکوٰۃ) کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا ہے، میں ان میں تفریق نہیں کروں گا۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا یہ فرمان آج بھی قیادتِ اسلامی کا بنیادی اصول سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے امت سیکھتی ہے کہ جب دین کی وحدت مجروح ہونے لگے تو ریاست، معاشرہ اور اخلاقی نظام یکساں طور پر ٹوٹنے لگتے ہیں۔

۳۔ تیسرا اہم اصول ریاست کی بالادستی اور اس کے بیانیے کا تحفظ تھا۔ آپ ؓ کے نزدیک اسلام، قرآن اور ریاستِ نبوی کے اصول محض تین جدا اکائیاں نہیں تھے بلکہ ایک نظری وحدت تھے۔ لہٰذا جب ارتداد کی تحریکیں اٹھیں تو آپ ؓ نے انہیں محض سیاسی بغاوت نہیں سمجھا بلکہ ریاستِ مدینہ کی مرکزیت پر حملہ قرار دیا، اور اسی شعور کے ساتھ ایسے فیصلے کیے جو جذباتیت نہیں بلکہ بالغ نظری اور حکمت کی مثال بن گئے۔

یہ تینوں اصول آج کے مسلمان معاشروں کے لیے بھی راستہ دکھاتے ہیں۔ موجودہ دور کی فکری یلغار، مذہبی انتشار، گروہی تعصبات اور ریاستی کمزوریوں کے مقابل ہمیں بھی حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایسا مزاج بنانے کی ضرورت ہے جہاں دین کے اصولوں پر غیر متزلزل استقامت، اجتماعی وحدت کو مقدم رکھنا اور ریاستی نظم و قانون کو دین کی اساس کے طور پر مضبوط کرنا اولیں ترجیح ہو۔ سیدنا صدیق اکبر ؓ نے اپنے زمانے کے بحرانوں کو جس وژن اور صلابت سے سنبھالا، وہ آج کے فکری و اجتماعی چیلنجز کے لیے روشن مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ امت کو وحدت میں پرو دینے کے عملی مظاہر

سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے اصولی موقف اور قیادتی بصیرت کی حقیقی شان اس وقت نمایاں ہوئی جب یہ اصول عملی میدان میں ایک ایک کر کے جلوہ گر ہونے لگے۔ آپ ؓ نے نہ صرف فتنۂ ارتداد کے ہنگامہ خیز دور میں دین کی مرکزیت اور ریاست کی بالادستی کا تحفظ کیا، بلکہ ایسے فیصلے کیے جنہوں نے بکھرتی ہوئی امت کو دوبارہ وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔ یہ وہ لمحات تھے جب عرب کے قبائل اپنی وفاداریاں توڑ رہے تھے، مذہبی التباسات جنم لے رہے تھے اور اسلام کی بنیادیں خطرے میں دکھائی

دیتی تھیں؛ مگر سیدنا صدیقِ اکبر ؓ نے اپنی غیر معمولی استقامت کے ساتھ وہ عملی اقدامات کیے جنھوں نے نہ صرف بحران کو تھاما، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی دین کے تحفظ کی ابدی مثالیں قائم کر دیں۔ ان اقدامات کے نمایاں مظاہر میں منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی، جھوٹے مدعیانِ نبوت کا خاتمہ اور قرآنِ مجید کی جمع وتدوین شامل ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ امت کی وحدت، ریاست کے استحکام اور دین کے تحفظ کا سنگِ میل ثابت ہوا:

(۱) منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف فیصلہ: تحفظِ دین کی پہلی دیوار

فتنۂ ارتداد کا سب سے نمایاں اور خطرناک رخ انکارِ زکوٰۃ تھا۔ متعدد قبائل نے اپنے تئیں ایک عجیب مفاہمت تراشی: نماز قائم رکھیں گے مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ امام بیہقی دلائل النبوۃ (ج: ۲، ص: ۴۷۷) میں ذکر فرمایا:

فلما توفي رسول الله، وارتدت العرب، فقال بعضهم: نصلي ولا نزكي، وقال بعضهم: لا نصلي ولا نزكي۔

جب اللہ کے رسول ﷺ اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے تو دور دراز کے نئے اسلام میں آنے والے قبائل میں کچھ کہنے لگے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے، مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے، کچھ کہنے لگے ہم تو نہ نماز پڑھیں گے نہ ہی زکوٰۃ دیں گے۔ یہ مطالبہ بظاہر ایک معمولی سیاسی رعایت دکھائی دیتا تھا، لیکن حقیقت میں یہ دین کے تین بنیادی ستونوں پر وار تھا:

اول: دین کے ایک فرضِ قطعی کی نفی

دوم: مدینہ کی مرکزیت اور نبوی ریاست کی اتھارٹی کو کمزور کرنا

سوم: اسلامی معاشرت کے اجتماعی نظم کو متزلزل کر دینا

بعض جلیل القدر صحابہ، جن میں حضرت عمر فاروق ؓ بھی شامل تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے غم میں ڈوبی امت کو اس وقت قتال میں نہیں الجھانا چاہیے۔ حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس حاضر ہوا، میں نے کہا:

يا خليفة رسول الله، تألف الناس، وارفق بهم

اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، لوگوں کی دلجوئی کیجئے اور ان سے نرمی برتیے۔ مگر صدیقِ اکبر ؓ کی نگاہ میں یہ معاملہ جذباتی نرمی کا نہیں، دین کی اساس اور ریاست کے وجود کا مسئلہ تھا۔

چنانچہ آپ ؓ نے وہ فیصلہ کن جملہ فرمایا جو اسلامی ریاست کی قیادت کا دائمی معیار بن گیا، صحاح ستہ کہ معروف حدیث ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا:

والله! لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها۔

اللہ کی قسم! جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے جنگ کروں گا۔ کیوں کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اور بخدا، اگر وہ ایک رسی بھی روکیں جو رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔

یہ فیصلہ کیوں بنیاد ساز تھا؟ اس لیے کہ زکوٰۃ محض مالی معاملہ نہیں بلکہ اسلامی معاشرت میں عدل، مساوات، مرکزیت اور اجتماعی نظم کی نئی روح تھی۔ اگر اس مرحلے پر کمزوری دکھائی جاتی تو ریاستِ مدینہ کا قائم کردہ مرکزی نظم بکھر جاتا اور اسلام مختلف قبائلی، قومی اور علاقائی مذہبوں میں تقسیم ہو جاتا۔ اسی لیے اہلِ علم نے بالاتفاق اسے اسلامی تاریخ کا سب سے اہم ریاستی فیصلہ قرار دیا ہے، جس نے امت کی وحدت کو پہلی اور مضبوط ترین دیوار فراہم کی۔

آج کے مسلمان معاشروں میں بھی کئی فکری اور عملی تحریکیں اسی طرح دین کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتی ہیں، کسی کو اخلاق اہم، مگر عبادات غیر ضروری لگتی ہیں۔۔۔ کوئی ریاستی نظم کو کم تر سمجھتا ہے۔۔۔ کوئی شریعت کے اجتماعی تقاضوں کو محض ''اختیاری'' قرار دیتا ہے۔ ایسے ماحول میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ سبق دیتا ہے کہ دین ایک مربوط وحدت ہے، اس کے کسی رکن کو کمزور کرنے سے پوری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ کے انکار کے مقابل آپ رضی اللہ عنہ کی استقامت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ معاشرتی عدل، ریاستی نظم، دینی مرکزیت اور اجتماعی وحدت تبھی قائم رہ سکتی ہے جب ہم دین کو مکمل پیکج کے طور پر قبول کریں۔ یہ فیصلہ ہر دور میں یہ اعلان کرتا ہے کہ دین کی بنیادوں پر لچک امت کے وجود پر ضرب بنتی ہے اور اصولوں پر ثابت قدمی ہی تحفظِ دین اور وحدتِ امت کی پہلی شرط ہے۔

(۲) جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف جنگ: وحدتِ امت کا معرکہ

مسیلمہ کذّاب، طلیحہ اسدی، سجاح اور اسود عنسی، یہ سب فتنۂ ارتداد کے اُس رخ کی علامت تھے جو براہِ راست عقیدۂ ختمِ نبوت پر حملہ آور تھا۔ امام ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری (ج: ۱۲، ص: ۲۷۶) میں مرتدین کے درجے بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كان أهل الردة ثلاثة أصناف، صنف عادوا إلى عبادة الأوثان، وصنف تبعوا مسيلمة والأسود العنسي، وكان كل منهما ادعى النبوة قبل موت النبي ﷺ۔

مرتدین تین قسموں میں تقسیم ہوئے: ایک گروہ واپس بت پرستی کی طرف لوٹ گیا۔ دوسرا گروہ مسیلمہ اور اسود عنسی کے پیچھے چلا، اور دونوں نے نبی ﷺ کی وفات سے پہلے نبوت کا دعوی کیا۔

نیز فرمایا: "فصدق مسيلمة أهل اليمامة وجماعة غيرهم، وصدق الأسود أهل صنعاء وجماعة غيرهم، فقتل الأسود قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بقليل، وبقي بعض من آمن به، فقاتلهم عمال النبي صلى الله عليه وسلم في خلافة أبي بكر، وأما مسيلمة فجهز إليه أبو بكر الجيش وعليهم خالد بن الوليد فقتلوه"۔

مسیلمہ کے دعوے کو اہل یمامہ اور کچھ دیگر لوگوں نے قبول کیا، جبکہ اسود عنسی کو اہل صنعاء اور دیگر نے مانا۔ اسود عنسی کو نبی ﷺ کی وفات سے کچھ ہی پہلے قتل کر دیا گیا، البتہ کچھ لوگ جو اس پر ایمان لائے تھے، باقی رہ گئے، جن کے خلاف نبی ﷺ کے مقرر کردہ گورنروں نے بعد میں خلافتِ ابو بکر ؓ میں کارروائی کی۔ مسیلمہ کے مقابلے کے لیے سیدنا ابو بکر ؓ نے ایک فوج تیار کی، جس کی قیادت حضرت خالد بن ولید ؓ نے کی، اور مسیلمہ کو قتل کر دیا گیا۔

اگر نبوت کا دروازہ کھل جاتا یا اس کے حرمت و تقدس پر معمولی سا بھی شک پیدا ہو جاتا، تو پورا دینی ڈھانچا تین پہلوؤں سے ٹوٹ جاتا:

ایک تو یہ کہ قرآن کا منصوص عقیدہ مشتبہ ہو جاتا۔ دوسرا یہ کہ شریعت کے احکام آپس میں متضاد ہو جاتے۔ مستزاد یہ کہ ہر قبیلہ اپنی خود ساختہ شریعت اور الگ مذہبی اختیار کا دعوے دار بن جاتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ امت ایک نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی اور مذہبی انتشار کا شکار ہو جاتی۔

انہی وجوہ سے سیدنا صدیق اکبر ؓ نے اس فتنہ سے نمٹنے کے لیے نہ کوئی تاخیر کی اور نہ کسی قبائلی دباؤ کو اہمیت دی۔ آپ ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ اور دیگر جرنیلوں کو مختلف محاذوں پر بھیجا۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ یمامہ میں وہ فیصلہ کن معرکہ پیش آیا جس نے اس فتنہ کی کمر توڑ دی۔ اس جنگ میں سیکڑوں قاری صحابہ شہید ہوئے، اور یہی سانحہ بعد ازاں قرآن مجید کی جمع و تدوین کے عظیم فیصلے کا براہِ راست محرک بنا۔

اس واقعے میں آج کی امت کے لیے دو بڑے پیغامات ہیں:

۱۔ اول یہ کہ عقیدے کے بنیادی اصولوں پر کسی قسم کی مفاہمت یا ابہام، کتنی ہی مصلحت آمیز کیوں نہ لگے، بالآخر اجتماعی بکھراؤ کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ وقتی نقصان، خواہ وہ جنگ، قربانی یا وسائل کا ہو، اگر دین کے تحفظ، اجتماعیت اور وحدت امت کو برقرار رکھنے کے لیے ہو تو وہ امت کے مستقبل کو مضبوط کرتا ہے۔

آج کے فکری انتشار، جھوٹے روحانی دعوؤں اور مذہبی اتھارٹی کے غیر شرعی مراکز کے مقابل کھڑا ہونا، اسی صدیقی جرأت و بصیرت کا عملی تقاضا ہے۔

(۳) قرآن کی جمع وتدوین: تحفظِ دین کی سب سے بڑی بنیاد

جنگِ یمامہ میں جب حفاظِ قرآن کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی تو امت کے سامنے ایک بنیادی خدشہ اُبھرا کہ اگر یہ سلسلہ کسی اور محاذ پر دہرایا گیا تو قرآنِ کریم کی آیات تک رسائی میں مشکل پیدا ہوسکتی ہے۔ اسی پس منظر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ قرآن کو ایک مصحف میں جمع کردیا جائے۔ ابتدا میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تردد ظاہر کیا اور فرمایا:

كيف أفعل شيئًا لم يفعله رسول الله؟

یعنی وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں نہیں فرمایا؟

لیکن جب معاملہ حفاظتِ دین اور بقاے قرآن کی ضرورتِ قطعیہ بن گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت بصیرت کے ساتھ اس تجویز کو قبول کرلیا۔ امام ابن ابی شیبہ اپنی مصنف (ج:۶، ص:۱۴۸) میں حدیث نمبر ۳۰۲۲۹ کے تحت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

إنّ أعظم أجرًا في المصاحف أبو بكر الصديق، كان أوّل من جمع القرآن بين اللّوحين۔

یعنی مصاحف کی تیاری میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ قرآن کو دو جلدوں کے درمیان جمع کرنے کی ابتدا انہوں نے ہی کی۔

یہ فیصلہ امت کے لیے تین دائمی فوائد کا سبب بنا:

پہلا: قرآن، جو دین کا اوّلین اور بنیادی ماخذ ہے، ناقابلِ تصور مضبوطی کے ساتھ محفوظ ہوگیا۔

دوسرا: قرآن کے متن اور قراءت کے حوالے سے امت کے درمیان اختلاف کی ہر شکل ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

تیسرا: اسلامی شریعت کی اصل بنیاد یعنی متنِ قرآن غیر متغیر، قطعی اور ہر زمانے کے لیے یکساں قابلِ رسائی قرار پایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس ایک فیصلہ نے امت کے علمی، فقہی، اعتقادی اور تہذیبی تسلسل کو مستقل استحکام بخشا۔

تاہم اس تاریخی فیصلے سے آج کی امت یہ سبق حاصل کرتی ہے کہ دین کی حفاظت صرف جذبات یا محض تقاریر سے نہیں ہوتی، بلکہ منظم ادارتی فیصلوں، اجتماعی دانش اور بروقت اقدامات سے ہوتی ہے۔ قرآن کو معیارِ وحدت بنانا، اس کے متن اور فہم میں غیر ذمہ دارانہ تاویلات سے بچنا اور علمی تحقیقات کو

قرآنی اصولوں سے جوڑ دینا، یہ سب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکمت کا تسلسل ہیں۔

آج جب فکری انتشار اور من مانی تعبیرات کا سیلاب جاری ہے تو امت کے تحفظ کی اصل کنجی اسی اصول میں ہے کہ قرآن کو قطعی اتھارٹی مان کر اسے اجتماعی شعور کے مرکز میں رکھا جائے۔

۴۔ امت کی وحدت: خلافتِ صدیقی کا سب سے بڑا معجزہ

ہم ذکر کر چکے کہ فتنۂ ارتداد محض ایک مذہبی انحراف نہیں تھا؛ یہ سیاسی بغاوت، قبائلی خود مختاری کے دعوے، جھوٹی نبوت کے فتنوں، زکوٰۃ کے انکار کی معاشی بغاوت اور قرآن کے تحفظ کو لاحق خطرات، ان تمام عوامل کا مجموعہ تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان مختلف النوع چیلنجز کا جس حکمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا، اس کے نتیجے میں امت تین بڑے بحرانوں سے ایک ساتھ محفوظ ہو گئی۔ زکوٰۃ کے انکار کے فتنے کو کچل کر دین کے اجتماعی نظم کی مرکزیت بحال ہوئی، جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف فیصلہ کن اقدام نے عقیدۂ ختمِ نبوت کو غیر متزلزل کر دیا اور قرآن کی جمع و تدوین نے دین کی علمی بنیاد کو ابدی استحکام بخش دیا۔

یہ تینوں فیصلے دراصل ایک ہی مقصد کی خدمت کر رہے تھے اور وہ مقصد امت کے شیرازے کو بکھرنے سے بچانا اور ریاستِ مدینہ کے مرکزی اقتدار کو بحال رکھنا تھا۔ انہی اقدامات کے نتیجے میں نہ صرف داخلی انتشار ختم ہوا بلکہ اسلامی ریاست ایک مرتب، متحد اور مضبوط وحدت کی صورت میں ابھری۔ یہی داخلی استحکام آگے چل کر بیرونی فتوحات کا دروازہ بنا۔ چنانچہ اہل علم کے یہاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق، شام، ایران اور مصر کی عظیم فتوحات دراصل اس وحدت کا پھل تھیں جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمال ذہانت و بصیرت اور معاملہ فہمی کے نتیجے میں قائم فرمائی۔

۵۔ آج کے فکری اور تہذیبی چیلنجز: خلافتِ صدیقی کی رہنمائی

آج کے مسلمان بھی متعدد فکری اور تہذیبی طوفانوں کا سامنا کر رہے ہیں، جیسے سوشل میڈیا کے ذریعے تشکیک، سیکولر طرزِ فکر کی نفوذ، دینی جہالت اور مسخ شدہ تعبیرات۔ اس منظر نامہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ دین کے بنیادی ستونوں میں قطعیّت، اصولوں میں قوت اور حقائق میں وضاحت لازمی ہیں۔ آج کے مسلمانوں کو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ اس اصول کے مطابق اپنے عقائد اور نظریات کی حفاظت کرنی ہو گی۔

امت کی داخلی تقسیم بھی ایک سنجیدہ چیلنج ہے۔ فرقہ واریت، مسلکی تنازعات اور سیاسی انتشار نے اجتماعی قوت کو کمزور کر دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عطا کردہ رہنمائی اس معاملے میں واضح

ہے کہ قیادت کی مرکزیت، اصولوں پر یکسانیت، فروع میں وسعت اور گنجائش، اور اجتماعی نظم کی پابندی ہی وحدتِ امت کی ضمانت ہیں۔

نوجوانوں کا فکری بحران ایک اور سنگین مسئلہ ہے۔ الحاد، لامذہبیت اور بے معنویت آج کے زمانے میں جدید فتنۂ ارتداد کی شکلیں ہیں۔ اس کے حل کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصول ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ علم کی از سرِ نو بنیاد، قرآن و سنت کی مرکزیت، مضبوط فکری قیادت اور ادارہ جاتی دینی تعلیم کا احیاء لازمی ہے تاکہ نئی نسل مضبوط اور مستحکم ہو۔

اسی طرح، ریاست، قانون اور قیادت کے بارے میں بے یقینی بھی امت کے اتحاد کے لیے خطرہ ہے۔ جب مسلمان گروہی شناخت، جذبات اور سیاسی وابستگیوں میں بٹے ہوں تو اجتماعی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصول یہاں بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ قانون کی بالادستی، مرکزیتِ قیادت، اور اصولی نظام کے بغیر امت متحد نہیں رہ سکتی۔

آج کے زمانے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی ہمیں یہ اصول مہیا کرتی ہے کہ ہم مشکل ترین حالات میں تذبذب نہیں بلکہ واضح موقف کی طرف بڑھیں۔ دین کے کسی رکن، ستون یا عقیدے میں چھوٹی سے چھوٹی لچک بھی عظیم فساد کا باعث بن سکتی ہے، اس کا سدباب کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت یہ بتاتی ہے کہ امت کو بحران سے نکالنے کے لیے ان جیسے اوصاف کی حامل ان کے نقش قدم پر چلنے والی کسی فیصلہ کن قیادت کی ضرورت ہے۔ جو اس بات کو سمجھے کہ امت کی وحدت، دین کی حفاظت کے بغیر ممکن نہیں۔ جو حکمت اور تدبر کے زیور سے آراستہ ہو اور سمجھتی ہو کہ علمی و فکری نظام مضبوط کیے بغیر نئی نسل کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اور مرکزیت کے بغیر کوئی امت زندہ نہیں رہ سکتی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بصیرت، غیرت، قوتِ ایمانی اور استقامت کا فیض عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

انسانی وقار کا بحران اور اسلام کا اخلاقی نظام

ڈاکٹر محمد تاج الدین کالامی
سینئر ریسرچ سکالر فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

انسانی تاریخ کے ہر دور میں کسی نہ کسی بحران اور تہذیبی کشمکش کا سامنا رہا ہے مگر عصرِ حاضر کا سب سے بڑا بحران، جس کا اثر ہر سماجی، اقتصادی اور روحانی شعبے پر محسوس ہوتا ہے، وہ ہے "وقارِ انسانی کا بحران" ہے۔ مادّی ترقی کی برق رفتار منازل طے کرنے کے باوجود انسان کی حرمت پامال ہوتی چلی جا رہی ہے۔ انسان کبھی سرمایہ، کبھی تجربہ کی مشین، کبھی سوشل میڈیا کا ڈیٹا اور کبھی عالمی سیاست کی شطرنج کی ایک بے بس مہرہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس بحران نے نہ صرف انسانی اخلاقی شناخت اور روحانی حیثیت کو متاثر کیا ہے بلکہ اجتماعی احترام، انسانی وقار اور سماجی ہم آہنگی کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔

وقارِ انسانی ایک بنیادی اخلاقی و قانونی تصور ہے جس پر انسانی حقوق کی بنیاد قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی، اسے علم، شعور اور حسنِ صورت سے نوازا۔ انسان کی عزّت و وقار کے بارے قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ (الإسراء، ۱۷: ۷۰)

اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اسلام میں ہر انسان عزت و احترام کا مستحق ہے، چاہے اس کا مذہب، رنگ یا نسل کوئی بھی ہو۔ انسانی عزت و وقار کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کے اندر اپنی روح پھونکی۔ قرآن میں ارشاد ہے:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ (الحجر، ۱۵: ۲۹)

پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکرِ (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔

انسانی عظمت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اسے زمین پر اپنا نائب بنایا، جس سے انسانی وقار کے تصور کی الٰہی بنیاد مزید مستحکم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔

اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (البقرۃ، ۲: ۳۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی وقار رب کائنات کے منشاء کے مطابق اُس کا نائب بن کر اس کے احکامات کے تعمیل میں ہے۔

اسلام میں انسانی جان کی حرمت اتنی اہم ہے کہ ایک فرد کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا۔ ربِّ کریم کا فرمان ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔ (المائدۃ، ۵: ۳۲)

جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں انسان کی بے حرمتی کے بارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب قتال المسلم، رقم الحدیث: ۴۱۰۵)

کسی مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

اسلامی نظریے کے مطابق انسان کا وقار دو قسم کا ہو سکتا ہے:

۱۔ ذاتی پیدائشی وقار (INHERENT DIGNITY)

۲۔ حاصل شدہ وقار (ACQUIRED DIGNITY) یعنی وہ وقار جو انسان اپنی کاوش، اخلاق، تقویٰ یا عمل سے حاصل کرتا ہے۔

اسلام میں گورا یا کالا، طاقتور یا کمزور حتی کہ مسلمان یا غیر مسلم کا امتیاز بھی نہیں بلکہ ہر انسان بلا امتیاز مذہب، جنس اور رنگ و نسل معزز ہے اور سب کا بنیادی وقار محترم ہے۔ جدید انسانی حقوق کے

تناظر میں بھی ”HUMAN DIGNITY“ اسی تصور کی عکاسی کرتا ہے کہ ہر انسان کو صرف انسانیت کی بنا پر عزّت اور احترام ملنا چاہیے۔

ا۔ عصرِ حاضر میں انسانی وقار کے بحران کے مختلف پہلو

جدید دنیا میں ٹیکنالوجی، معیشت اور میڈیا نے انسان کو مادّی قدر کا پیمانہ بنا دیا ہے۔ انسان کو اس کی پیداوار اور افادیت سے پرکھا جاتا ہے، نہ کہ اس کی انسانیت سے۔ نتیجتاً عزت و شرافت پسِ منظر میں چلی گئی ہے۔ معاشی کشمکش اور طبقاتی تفاوت نے کمزور انسانوں کو وقار سے محروم کر دیا ہے۔ نتیجتاً مزدور، یتیم، بیوہ اور غریب افراد اپنی محنت اور انسانی حیثیت کے باوجود کمتر سمجھے جاتے ہیں اور ہمارے ہاں احترامِ انسانیت، عفو، عدل اور شفقت جیسے اوصاف کمزور پڑ گئے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں ہم اس بات کا تجزیاتی مطالعہ کریں گے کہ عصرِ حاضر میں انسانی وقار کا بحران کن پہلوؤں میں پیدا ہوا ہے اور پھر اس تناظر میں اسلامی اخلاقی نظام کا جائزہ بھی پیش کیا جائے گا:

(ا) معاشی و سماجی ناہمواری اور انسانی وقار کی پامالی

عصرِ ی اقتصادی نظریات نے طبقاتی فرق، غربت، بے روزگاری اور معاشرتی پسماندگی کو جنم دیا ہے۔ مادیت کی وجہ سے انسانی وقار ناپنے کا معیار مادی، تجارتی اور سوشل میڈیا کی بنیاد پر ہو گیا ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کو منفعت کی مشین بنا دیا ہے۔ دولت اور طاقت معیارِ عزت بن گئے ہیں۔

قرآن و سنت کی روشنی میں یہ تصور باطل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں، یتیموں اور مزدوروں کے وقار کو بلند کیا۔ حضور ﷺ نے جاہلی معاشرے میں محروم طبقات، غلاموں، یتیموں اور مزدوروں کے حقوق اجاگر فرما کر انہیں بلند مقام عطا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔“

حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے، مگر آزادی کے بعد صحابہ انہیں ”سیدنا“ کہہ کر پکارا کرتے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اہلِ بیت میں شامل فرمایا۔

(۲) خود غرضی و بے اعتنائی اور انسانی وقار کی توہین

سرمایہ پرستی اور جدید مارکیٹنگ نے انسانی جذبات اور ضروریات کو مصنوعی خواہشات میں بدل دیا، جس سے انسان خود پروڈکٹ بن گیا۔ خود غرضی، خود ساختہ شہرت اور دوسروں کے حقوق سے بے توجہی و بے اعتنائی نے انسانی وقار کو کمزور کیا۔ ہمدردی اور تعاون مفقود ہیں۔ نتیجتاً معاشرتی تعلقات کمزور اور باہمی احترام ختم ہو گیا ہے جس سے انسانی وقار کا شدید بحران پیدا ہو گیا ہے۔

اس وقت صرف حقوق کا دعویٰ کافی نہیں رہا، بلکہ اخلاقی شعور، انسانی ہمدردی، سماجی انصاف اور اسلامی اخلاقی نظام کا اطلاق ضروری ہے۔ اسلامی اخلاق کا تصور یہ ہے کہ انسان صرف اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ معاشرے، خاندان، اُمت اور انسانیت کا حصہ ہے۔

(۳) سوشل میڈیا اور انسانی وقار کی بے حرمتی

سوشل میڈیا نے عزتِ انسانی کو مذاق بنا دیا ہے۔ طعن و تشنیع، بہتان طرازی اور طنز و تحقیر کو ''اظہارِ رائے'' سمجھا جانے لگا ہے۔ اشتہارات، تفریحی صنعت اور سوشل میڈیا نے انسانی وقار کی بنیاد افادیت اور جسمانی جمالیات پر رکھ دی۔ اشتہاراتی اور تفریحی صنعت نے جسمانی جمالیات، تجارتی تشہیر، معاشرتی مقابلہ بازی کو فروغ دیا ہے۔ نتیجتاً انسان کے وقار کی بنیاد اس کی قیمت اور افادیت پر مبنی ہو گئی ہے، نہ کہ اس کی انسانیت پر۔ انسان ایک ''ڈیجیٹل غلام'' بن کر اللہ رب العزت کی نافرمانی پر اتر آیا ہے۔ قرآن نے خبردار کیا تھا:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ۔ (العلق، ۹۶: ۶)

(مگر) حقیقت یہ ہے کہ (نافرمان) انسان سرکشی کرتا ہے۔

فحش تبصرے، طنز، سیاسی تمسخر اور مذہبی اشتعال انگیزی انسانی وقار کے بحران کو بڑھا رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں افواہ، بہتان اور نفرت انگیزی نے ''زبان'' کو ہتھیار بنا دیا ہے۔ سوشل میڈیا کی زبان میں زہر ہے جس سے دلوں میں فاصلے ہوتے ہیں، رشتہ داروں، خاندانوں اور دوست احباب کے درمیان طویل ناراضگیاں، آئے روز کا معمول بن چکی ہیں۔ قرآن نے خبردار فرمایا:

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔

(الحجرات، ۴۹: ۱۱)

اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے۔

غور کریں یہ آیت جدید ''VERBAL ABUSE'' کے خلاف کس قدر مضبوط اصول پیش کر رہی ہے۔ اسلامی اخلاق کے مطابق، انسان کی عزّت وہ نہیں جو معاشی یا جسمانی پیمانوں سے ماپی جائے، بلکہ وہ ہے جو خداوندِ کریم نے اسے عطا کی ہے۔

(۴) خاندانی نظام کی تباہی اور انسانی وقار کی بے توقیری

مغربی تہذیب نے خاندان کی بنیادیں ہلا دیں ہیں۔ ماں باپ کا مقام پامال ہو کر رہ گیا ہے۔ بچوں کا مستقبل سکرین کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ازدواجی استحکام ناپید ہے۔ نتیجتاً انسان کا جذباتی و سماجی وقار

ٹوٹ چکا ہے۔ جدید دنیا میں انسان ترقی یافتہ تو ہے مگر تعلقات و اخلاقیات سے یکسر محروم ہے۔ باہمی رنجش، بائیکاٹ اور ضد و انا نے گھروں کو اجاڑ دیا ہے۔ حسد، بغض اور باہمی چپقلش نے انسانی وقار، روحانی سکون اور خاندانی تعلقات کو کمزور کر دیا ہے۔

(۵) قطع تعلقی: وقارِ آدمیت کی توہین آمیز صورت

اسلامی اخلاقی نظام میں قطعِ تعلقی کوئی معمولی اخلاقی خامی نہیں، بلکہ شرعی طور پر ناجائز عمل ہے۔ جو شخص کسی سے قطع تعلقی کرتا ہے، وہ گویا اُس کے وجود کو غیر اہم قرار دیتا ہے۔ کسی فرد کو نظر انداز کرنا، اس سے دانستہ بے رخی برتنا یا اس کے وجود کو غیر اہم سمجھنا انسانی وقار کی توہین ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ: فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔

(بخاری، کتاب الأدب، باب الھجرۃ: ۵۷۲۷)

کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ میل ملاقات چھوڑے رہے، اس طرح جب دونوں کا سامنا ہو جائے تو یہ بھی منہ پھیر لے۔ اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

تین دن سے زیادہ بُعد رکھنا دلوں میں نفرت پیدا کرتا اور فاصلے بڑھاتا ہے اور محبت و مساوات کے اخلاقی ڈھانچے کو مجروح کرتا ہے۔ سلام میں پہل کرنا دراصل عاجزی کا اظہار ہے اور عاجزی ہی وقار کا بلند ترین درجہ ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ خاندانی تعلقات جڑے رہیں، ناراضگی کی صورت میں پہل کرنا اخلاقی بلندی ہے۔

(۶) ریاستی سطح پر انسانی وقار کی بے وقعتی

ریاستی جبر، طاقت کے ناجائز استعمال، معاشی استحصال اور مجبور و مقہور طبقات، خصوصاً مزدوروں، عورتوں، اقلیتوں اور پناہ گزینوں پر ظلم، انسانی وقار کے بحران کی نمایاں صورتیں ہیں۔ جنگوں، سیاست اور میڈیا میں عام شہریوں کی تذلیل اس بحران کو مزید گہرا کر رہی ہے۔ انسانی وقار کی پامالی کی یہ صورتیں جدید دنیا میں زیادہ نمایاں ہوئی ہیں، جہاں طاقتور اپنے مفاد کے لیے کمزوروں کو نظر انداز اور استحصال کا شکار کرتے ہیں۔

اسلامی اخلاقی نظام میں ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت و وقار کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا۔ کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ

اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ پھر فرمایا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم۔۔۔: ۲۵۶۴)

ہر مسلمان پر (دوسرے) مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہیں۔

یہ حدیث آج بھی انسانی وقار کے تحفظ کا جامع ضابطہ فراہم کرتی ہے۔

۲۔ انسانی وقار کی بحالی کے لیے اسلامی اخلاقی نظام کے اقدامات

اسلامی معاشرت میں وقارِ انسانی کسی مذہب، نسل یا طبقے تک محدود نہیں، بلکہ ہر انسان کی احترام پر مشتمل ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے قول و فعل میں خیر غالب ہو اور وہ دوسروں کے لیے راحت و امن کا ذریعہ بنے۔

(۱) زبان اور ہاتھ سے دوسروں کی حفاظت

انسانی وقار کی بحالی کے لیے اسلامی اخلاقی نظام کا پہلا اقدام دوسروں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچانا ہے۔ زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھنا انسانیت کا عملی تقاضا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ رہیں۔ (صحیح البخاری: ۱۰ و مسلم: ۶۴)

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا:

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ۔

(مسند احمد بن حنبل، ۲: ۳۷۹، رقم الحدیث: ۸۹۱۸)

مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امن محسوس کریں۔

یہی اصول عصرِ حاضر میں انسانی وقار کے بحران کا علاج ہے۔ جب زبان خیر بانٹے اور ہاتھ ظلم سے رک جائے تو معاشرہ ایمان کا مظہر بن جاتا ہے اور انسان اپنی اصل عظمت کو پالیتا ہے۔ اگر ایک مسلمان اپنی زبان سے دوسروں کی عزت و وقار کو پامال کرے، یا اس کا ہاتھ ظلم کا ذریعہ بنے تو اس کے اعمالِ صالحہ محض ظاہری حرکات و سکنات ہیں جو نور و روحِ ایمانی سے خالی ہوتے ہیں۔

انسانی وقار کی پامالی زیادہ تر زبان اور عمل سے ہوتی ہے۔ غیبت، بہتان، تحقیر، طنز اور ظلم انسان کی عزت کو مجروح کر دیتے ہیں لیکن یاد رکھیں ہمارا ہر قول لکھا جا رہا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔

وہ مُنہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار رہتا ہے۔(ق، ۵۰: ۱۸)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ. (سنن الترمذی:۲۶۱۶)

لوگوں کو (جہنم کی) آگ میں چہروں یا نتھنوں کے بل گھسیٹنے والی چیز ان کی زبانوں کی کاٹی ہوئی فصلوں کے سوا اور کیا ہے؟

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی وقار کا تحفظ زبان کی درستگی سے شروع ہوتا ہے۔ جب زبان خیر بولتی ہے تو معاشرہ امن پاتا ہے اور جب زبان زہر اگلتی ہے تو وقارِ انسانیت مجروح ہوتا ہے۔

(۲) حاسدانہ جذبات سے اجتناب

اسلامی وقار کی بحالی کے لیے اسلامی اخلاقی نظام کا دوسرا اہم ترین اقدام حاسدانہ جذبات کی بیخ کنی ہے۔ حسد نہ صرف دوسرے انسان کی عزت پر حملہ ہے بلکہ اللہ کے عدل پر عدمِ اعتماد بھی ہے، جو انسانی وقار کی سب سے بڑی توہین ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ۔

کیا یہ لوگوں (سے ان نعمتوں) پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔(النساء، ۴: ۵۴)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ حسد دراصل اللہ کے فیصلے سے ناخوشی ہے۔ احادیثِ نبویہ میں حسد و بغض کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ حسد ایمان کو جلا دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔"

(ابوداود، حدیث ۴۹۰۳)

انسان جب دوسرے کی نعمت دیکھ کر جلتا ہے، تو دراصل اپنی نیکیوں کو راکھ کر دیتا ہے۔ یہ عمل وقارِ انسانی کے خلاف ہے، کیونکہ وقار کا جوہر رضا، قناعت اور خیر خواہی ہے اور حسد ان تینوں کو مٹا دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی بن جاؤ۔" (بخاری و مسلم)

یہ تعلیمات واضح کرتی ہیں کہ اسلام کا معاشرہ محبت اور بھائی چارے پر قائم ہوتا ہے۔ حسد، بغض اور قطع تعلقی انسانی وقار کو کمزور کرتے ہیں، جبکہ عفو و محبت انسان کے وقار کو بلند کرتی ہے۔

(۳) عفو و درگزر کے رویّہ کا فروغ

انسانی تصورِ وقار کو قائم رکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنی عزت تب محفوظ رکھتا ہے جب وہ دوسروں کی عزت کا احترام کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ۔
(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸)

صدقہ کے ذریعے مال کم نہیں ہوتا اور عفو و درگزر کرنے سے اللہ تعالیٰ آدمی کی عزت میں ہی اضافہ فرماتا ہے اور جو آدمی اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا رتبہ بلند فرما دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کو معاف کرتا ہے، وہ خود اپنی عزت اور وقار میں اضافہ کرتا ہے۔

(۴) دلجوئی اور عیب پوشی کا خیال کرنا

غمزدوں کی دلجوئی کرنا اور لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنا بھی اسلامی اخلاقی نظام کی وہ تعلیم ہے جو انسانی وقار کی بحالی کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی اخلاقیات میں دلجوئی اور پردہ پوشی کو انسانی وقار کے تحفظ کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَتَبَّعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، يَتَتَبَّعِ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَتَبَّعِ اللهُ عَوْرَتَهُ، يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔
(سنن الترمذي، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء في تعظیم المؤمن: ۲۰۳۲)

مسلمانوں کو تکلیف مت دو، ان کو عار مت دلاؤ اور ان کے عیب نہ تلاش کرو، اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب ڈھونڈتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا عیب ڈھونڈتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب ڈھونڈتا ہے، اسے رسوا و ذلیل کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی نظر میں مومن (کامل) کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ عظیم ہے۔

یہ اعلانِ دراصل انسانی dignity (وقار) کی بنیاد ہے۔ کعبۃ اللہ جس کی تعمیر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کی، جس کی حرمت پر قرآن میں تاکید ہے، اُس سے بھی بڑھ کر ایک مومن کی عزت و جان، اس کی آبرو اور احساسات کا احترام قرار دیا گیا۔

اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۶۹۹)

ان تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ مومن کی عزت، احساسات اور اس کے رازوں کا تحفظ انسانی وقار کی اصل روح ہے۔

(۵) اسلامی اخوت سے وقارِ انسانی کی بحالی

عصرِ حاضر میں انسانی وقار کی بحالی اسلامی اخلاقی نظام، اخلاقی شعور، ہمدردی، تعاون اور روحانی اخوت سے ہی ممکن ہے۔ قرآن نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ۔

بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو۔ (الحجرات، ۴۹: ۱۱)

قطع تعلقی سے دلوں میں رنجش پیدا ہوتی ہے، جس سے محبت، تعاون اور انسانی احترام کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسلام نے ایسے رویے کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محرومی کا باعث بھی بنتا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَاثْنَيْنِ، فَيَغْفِرُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ، لِكُلِّ امْرِئٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، ارْكُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهی عن الشحناء والتهاجر: ۲۵۶۵)

ہر پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اس دن اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی مغفرت کر دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، اس شخص کے سوا کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان عداوت اور کینہ ہو، تو (ان کے بارے میں) کہا جاتا ہے: ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ آپس میں صلح کر لیں، ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ یہ دونوں (عداوت چھوڑ کر) آپس میں صلح کر لیں۔

قطع تعلقی کو معمول سمجھنا انسانی وقار کی نفی ہے۔ آج کا انسان انفرادیت، خود پسندی اور سماجی تنہائی میں مبتلا ہے۔ معاشرتی تعلقات، سیاسی گروہ بندی اور مذہبی تقسیم نے دلوں میں نفرت پیدا کر دی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی انا کے حصار میں قید ہو کر دوسروں کی عزت و وقار بھول چکا ہے۔

۳۔انسانی وقار کی بحالی اور احترامِ انسانیت کے جذبات کے فروغ میں منہاج القرآن کا کردار

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی پوری علمی و فکری تحریک کا محور و قارِ انسانی کی بحالی، احترامِ آدمیت اور امنِ عالم کا قیام ہے۔ اُن کے نزدیک انسان کی اصل شناخت اس کے رنگ، نسل، مذہب یا مقام سے نہیں بلکہ اس کی اخلاقی عظمت، روحانی پاکیزگی اور خالقِ حقیقی سے نسبت سے ہے۔ وہ بارہا اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اسلام نے انسان کو جس عزت و حرمت سے نوازا ہے، وہ کسی اور نظامِ فکر میں میسر نہیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فتنہ و فساد، تشدد، نفرت اور تفرقہ انگیزی کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص انسانی حرمت کو پامال کرتا ہے، وہ دراصل خالقِ انسان کی حرمت کا منکر ہے۔ اسی لیے وہ ہر سطح پر امن، رواداری، بقائے باہمی اور انسانی یکجہتی کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی تعلیمات کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ دینی فکر کو سیاسی یا فرقہ وارانہ مفادات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کا اصل پیغام، یعنی ”سلامتی، محبت اور وقارِ انسانی“، خالص اور غیر مشروط صورت میں دنیا کے سامنے آئے۔ وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ انسانی وقار کی بنیاد صرف حقوق کے مطالبے پر نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر ہے۔ جب ہر فرد دوسرے کے احترام، عزت اور خیر خواہی کو اپنا فرض سمجھے گا تو اجتماعی سطح پر وقارِ انسانی کا وہ نظام قائم ہوگا جو اسلام کی اصل منشاء ہے۔

خلاصۂ کلام

اسلامی اخلاقی نظام انسان کے وقار کے تحفظ کا ابدی ضابطہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کے مطابق ایمان وہ نہیں جو زبانی دعوے تک محدود ہو، بلکہ وہ ہے جس سے انسانیت امن اور تحفظ محسوس کرے۔ جب زبان خیر کا ذریعہ بنے اور ہاتھ رحمت کا مظہر، تب ہی انسان حقیقی مسلمان کہلاتا ہے۔ یہی ایمان انسان کو اس کے کھوئے ہوئے وقار سے دوبارہ آشنا کرتا ہے۔

اسلام میں اخلاق محض سماجی آداب نہیں بلکہ ایمان کا مظہر ہیں۔ عصرِ حاضر کے بگڑے ہوئے منظر نامہ میں انسانی وقار کی از سرِ نو تعمیر اسلامی اخلاقی نظام سے ہی ممکن ہے۔ جب انسان انفرادیت، خود پسندی اور نفرت کے حصار میں قید ہے تو اسلامی اخلاقی نظام ہی وہ واحد راستہ ہے جو اسے انسانیت اور وقار کی حقیقی بلندی عطا کر سکتا ہے۔

جدید ترقی اور روحانی تنزلی اسباب وتدارک

ڈاکٹر محمد اظہر عباسی
کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز لاہور

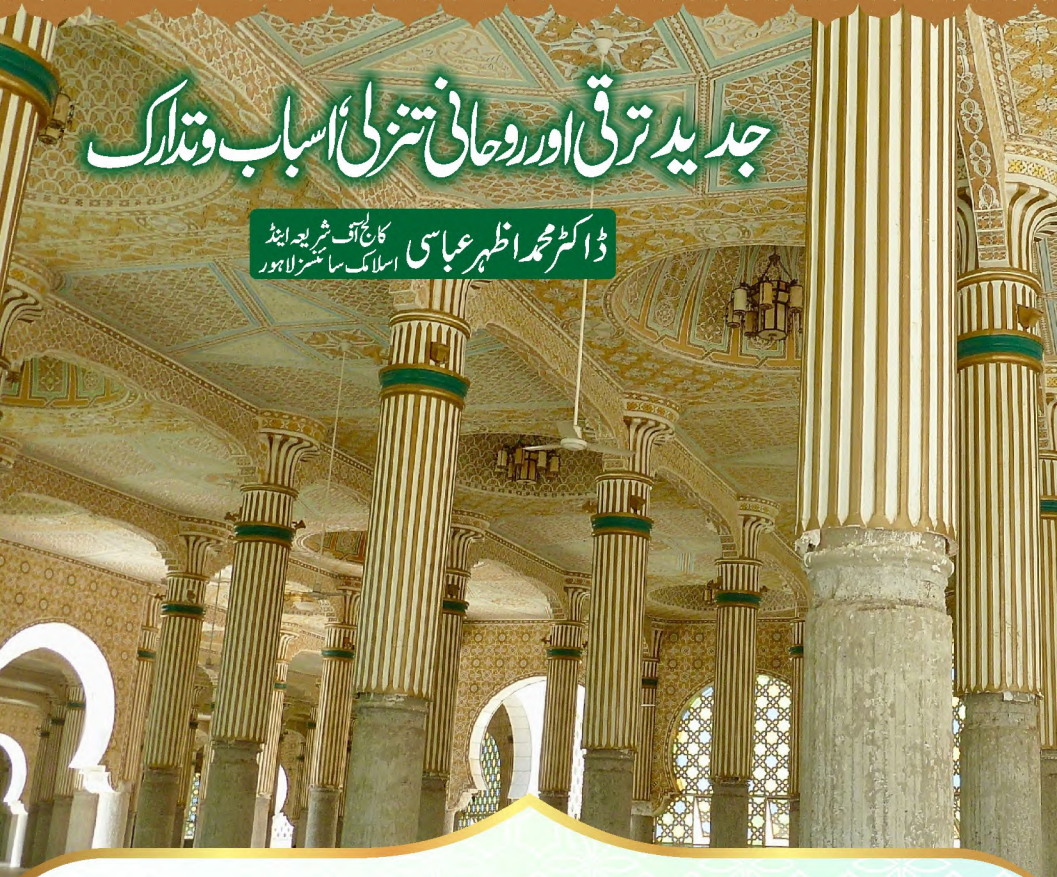

اللہ رب العزت نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کائنات کے لیے ایسے ضوابط اور اصول وضع کر رکھے ہیں جن سے کائنات کا ذرہ بھی سرِ مو انحراف نہیں کر سکتا۔ ان کائناتی ضابطوں کو قرآن کریم نے سنت اللہ اور فطرۃ اللہ کا نام دیا ہے اور بار بار یہ بتایا ہے کہ اللہ کی سنتوں (عادتوں اور طریقوں) میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ ردوبدل ہوتا ہے۔ یہ ضابطے نہ منسوخ ہوتے ہیں نہ ملتوی۔ یہ ضابطے روزِ ازل سے اسی طرح کار فرما ہیں جس طرح آج ہمیں کار فرما نظر آرہے ہیں۔ یہ کائناتی ضابطے نہ صرف افراد سے لے کر اقوام، ممالک، تہذیبوں اور سلطنتوں تک کے حالات بیان کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کائنات کی تخلیق، مقصدِ تخلیق اور اس کے مختلف نظاموں اور سیاروں میں بھی جاری وساری ہیں۔

اقوام کی ترقی اور بقا کن اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔۔۔؟ ممالک کا عروج وزوال کیسے ہوتا ہے۔۔۔؟ تہذیبیں کیسے بنتی اور بگڑتی ہیں۔۔۔؟ سلطنتیں اور حکمران خاندان کب اور کیسے نشیب وفراز کا شکار ہوتا ہے۔۔۔؟ ان سب سوالوں کا جواب اللہ رب العزت کی اسی سنت میں پنہاں ہے اور تاریخ در اصل اس سنت اللہ کے مطالعہ کا نام ہے۔ افراد، اقوام اور اُمتوں کے عروج وزوال کی یہ ساری داستان جہاں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہے جن کا تنقیدی مطالعہ کر کے سنت اللہ کے اصول دریافت

کئے جاسکتے ہیں، وہاں قرآن مجید میں بھی ایسے اشارے جابجا موجود ہیں جن کو سامنے رکھ کر عروج و زوالِ امم کے اسباب و علل مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات بیان کرنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کی جھلک دکھانے میں یہی مقصد کارفرما معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے عروج کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ۔ (البقرۃ، ۲: ۴۷)

میں نے تمہیں اپنے دور میں جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی، تمہیں نبوت و رسالت دی تھی، حکومت و سلطنت سے نوازا تھا اور وحی و کتاب سے سرفراز کیا تھا۔

جبکہ بنی اسرائیل کے زوال کا اس طرح ذکر کیا ہے:

لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ۔ (المائدہ: ۷۸)

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یعنی زبور اور انجیل میں لعنت کی گئی ہے۔

قرآن کریم نے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بنی اسرائیل کے کافروں کو ملعون قرار دیے جانے کا ذکر کیا ہے، وہاں اس کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ ان اسباب میں سے ایک یہ ہے:

كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ۔ (المائدہ: ۷۹)

وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے مگر ایک دوسرے کو گناہ سے منع نہیں کرتے تھے۔

گویا معاشرے میں گناہوں سے روک ٹوک کا ماحول ختم ہو جانا اور ایک دوسرے کے گناہوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لینا، اقوام کے زوال کا سبب ہے جس سے اقوام فضیلت و درجات سے لعنت و غضب کے ماحول کی طرف سفر کرنے لگتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دعوت دینے لگتی ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک حدیث مبارک میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

جب کسی معاشرہ میں ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا ذوق ختم ہو جائے اور لوگ ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین چھوڑ دیں اور برائی سے روکنا ترک کر دیں تو معاشرہ کے سب لوگ مجموعی طور پر عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

عصرِ حاضر کا اصل مسئلہ: عدمِ توازن

آج کے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ دولت یا وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس کی سب سے بڑی محرومی زندگی

میں امن، چین اور سکون کا ناپید ہونا ہے۔ وہ سکون جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)

یاد رکھو! دلوں کا سکون صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔

وہ سکون جو موسیقی، نشہ، گناہ، فیشن اور دولت جمع کرنے میں تلاش کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں مادی کامیابی کے نمائندگان جیسے بل گیٹس، سٹیو جابز، جیک ماسب بھی اعتراف کرتے ہیں کہ روح کا سکون مادّی ترقی سے نہیں ملتا۔ تاجدار کائنات نبی مجتبیٰ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

دولت مال کی کثرت نہیں، دل کی امیری ہے۔

ترقی یافتہ دور کا انسان جدت کی ان راہوں تک پہنچ چکا ہے جہاں وہ ایٹم کو توڑ رہا ہے مگر روحانی تنزلی کی اس گھاٹی کا مسافر ہے جہاں انسانی رشتوں کو جوڑنے میں ناکام ہے۔ مادی ترقی یافتہ دور میں بینک بیلنس، شہرت، طاقت، نمود و نمائش اور جاہ و منصب کو کامیابی کا معیار سمجھا جاتا ہے جبکہ قرآن کہتا ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (آلِ عمران:۱۸۵)

”اور دنیا کی زندگی دھوکے کے مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔“

دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ یہ وہ دھوکا ہے جس نے دلوں سے حیا چھین لی۔۔۔ ذہنوں سے تقویٰ نکال دیا۔۔۔ کردار سے اخلاق ختم ہو گیا۔۔۔ سوچ سے آخرت مٹا دی گئی اور یوں جدت پسند انسان ترقی کی راہ چلتے چلتے روحانی موت مر جاتا ہے۔ پھر معاشرے میں انسان تو ہوتے ہیں مگر انسانیت نہیں ہوتی۔ گوشت کے زندہ جسموں میں مردہ روحیں رہنا شروع کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی چیزیں پیدا فرمائی ہیں، عام طور پر ان میں افراط و تفریط انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے لیے مفید ترین چیزیں بھی اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائیں یا حدِ ضرورت سے کم ہو جائیں تو انسان کے لیے رحمت کے بجائے زحمت اور انعامِ خداوندی کے بجائے عذابِ آسمانی بن جاتی ہیں۔ مثلاً: ہوا انسانی زندگی کے لیے جزو لاینفک ہے لیکن جب آندھیاں چلتی ہیں تو یہی حیات بخش ہوا کتنی ہی انسانی آبادیوں کو تاخت و تاراج کر کے رکھ دیتی ہیں۔ پانی زندگی و حیات کا سرچشمہ ہے لیکن جب دریاؤں کی متلاطم موجیں اپنے دائرے سے باہر آجاتی ہیں تو کس طرح سبزہ زار کھیتوں اور شاد و آباد بستیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتی ہیں۔ قدرت کی اکثر نعمتوں کا یہی حال ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا نظام توازن و اعتدال پر رکھا ہے۔ سورج اور زمین کے درمیان ایک متوازن فاصلہ رکھا ہے۔ یہ فاصلہ بڑھ جائے تو زمین برف سے ڈھک جائے گی اور اگر

فاصلہ کم ہو جائے تو زمین پر نا قابلِ برداشت گرمی ہو گی۔ قدرت کا پورا نظام اعتدال پر قائم ہے اور یہ ترازو رب کائنات نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔

سائنس، علم، ایجادات، ٹیکنالوجی در حقیقت انسان کے لیے اللہ رب العزت کے خزانۂ علم کی خیرات ہے جس سے انسان زندگی کے معمولات میں سہولت و آسانی پیدا کرتا ہے مگر ہم اُس میں بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گئے اور توازن کھو بیٹھے۔ جدید سائنس، ٹیکنالوجی کی بدولت جو ترقی ہمارے لیے ایک طرف بہت فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے، دوسری طرف ہم اس کے نقصانات سے بھی دوچار ہیں۔ اس نے ہمیں بہت ساری مختلف فکروں اور مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کے لگاتار استعمال نے معاشرے میں بڑی خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ انسان اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہو رہا ہے۔ وہ اب اخلاقیات، محبت، شفقت، ادب، احترام، انسانیت، شرافت وغیرہ سب کو بھول کر صرف مشین بن کر رہ گیا ہے۔۔۔ وہ اخلاقیات کو بھلا کر بداخلاق ہو چکا ہے۔۔۔ محبت نے نفرت کی شکل اختیار کر لی ہے۔۔۔ شفقت بے دلی میں۔۔۔ ادب و احترام بدتمیزی میں۔۔۔ انسانیت ظلم و ستم میں۔۔۔ اور شرافت غنڈہ گردی میں بدل گئی ہے۔۔۔ رحمدلی کی جگہ اب نفرت نے لے لی ہے۔

زندگی میں عملی توازن کیونکر ممکن ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی میں عملی طور پر یہ توازن کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب بہت سادہ، عام فہم اور آسان ہے۔ اس کے لیے کسی فلسفیانہ تمہید کی ضرورت نہیں بلکہ درج ذیل اقدامات کرنا ہوں گے:

۱۔ ہر لمحہ ایمان کی تجدید کرنا ہو گی کیونکہ دل ایمان کی تجلی کے بغیر مردہ ہے۔

۲۔ عبادات میں خشوع و خضوع قائم کرنا ہو گا اور تمام عبادتوں کی پابندی کرنا ہو گی کیونکہ قلبی تعلق کے ساتھ عبادات میں مداومت گویا سکون قلب کا دروازہ ہے۔

۳۔ قرآن کریم سے اپنا تعلق قائم کرنا ہو گا کہ کتاب الٰہی ہر دور میں رہنمائی اور ہر مرض کی دوا ہے۔

۴۔ صاحب قرآن ﷺ سے قلبی حبی، روحانی تعلق مضبوط کرنا ہو گا، درود و سلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا ہو گا کہ ہر پریشانی دکھ درد تکلیف کا مداوا اس ورد میں رکھا ہے۔

۵۔ اسلام حلال کمائی کا حکم دیتا ہے۔ سود کو حرام کرتا ہے، تجارت کو برکت کا ذریعہ قرار دیتا ہے، محنت کی قدر کرتا ہے، دولت کے بہاؤ کو متوازن رکھتا ہے، فقراء و مساکین کے حقوق دیتا ہے اور زکوٰۃ کی بنیاد رکھتا ہے۔ اسلام میں معاشی توازن سے مراد کسب و تصرف میں توازن و اعتدال ہے، جس کی طرف حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے رہنمائی ملتی ہے۔

اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ (مشکوٰۃ)

”خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے۔“

اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ۔ (مسند احمد بن حنبل)

میانہ روی و توازن سے چلنے والا کبھی محتاج و تنگدست نہیں ہوتا۔

انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کا دائرہ اتنا ہی رکھے جتنے اس کے مالی وسائل ہیں۔ مالی وسائل کی بہتات کی صورت میں وہ ضرورت پوری کرنے میں سہولت اور آسائش کے درجے سے آگے نہ بڑھے۔ کسبِ حلال میں افراط سے اجتناب کرے اور تمام خدائی و اخلاقی پابندیوں کا پاس رکھے۔ کسی حلال روزگار سے نہ کترائے۔

۶۔ آج ہماری ایک بڑی تعداد معاشرے پر اس لیے معاشی بوجھ ہے کہ انہوں نے زندگی گزارنے کا ایک معیار طے کر لیا ہے۔ اگر اس معیار کی نوکری اور معاشی وسائل انہیں دستیاب نہ ہوں تو وہ عضوِ معطل ہی بنے رہتے ہیں حالانکہ وہ معمولی تجارت، کھیتی باڑی اور عام ذرائع روزگار اختیار کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں نوجوان جانور پالتے، تجارت اور کھیتی باڑی کرتے، جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچتے اور خواتین چرخہ کاتتیں۔ یہی طرز بعد کی خلافتوں میں رہا۔ اسراف و تبذیر کی روش اسلامی معاشرے میں عیب اور چھچھورپن کی علامت تھی اور اسے خود سر اُمراء اور بادشاہوں کا وطیرہ سمجھا جاتا۔ اگر آج بھی مسلم معاشرہ ”معاشی توازن“ کے اس گراں قدر وصف سے کام لیتا ہے تو معاشرے میں عوامی سطح پر اسراف و تبذیر اور ان کے مہلکات پر کسی قدر قابو پایا جا سکتا ہے اور غربت و معاشی ناہمواری کا بھی تدارک ہو سکتا ہے۔

قلبی اطمینان و سکون کے حصول کے اصول

معاشرتی طور پر چند اصول ایسے ہیں جن کے عمدہ نتائج کو جدید سائنس بھی تسلیم کر چکی ہے حالانکہ یہ تمام اصول ہمارے دین متین کے متعین کردہ ہیں جو اس نے انسانی ہدایت کے لیے آج کے جدید ترقی یافتہ دور سے 1450 سال قبل انسانی معاشرے کو عطا کیے۔ ان اصولوں پر چل ہر دور کے انسان نے انسانیت کا سر فخر سے اونچا کیا۔ ہم اجمالی طور پر ان اصولوں کو سمجھتے ہیں:

(۱) کثرت نہیں برکت

حقیقی خوشی چیزوں کی بہتات اور فراوانی سے نہیں مل سکتی۔ اس لئے کثرت نہیں برکت پر یقین

رکھیں۔ زیادہ کی لالچ اور ہوس نے فرد اور اقوام کی زندگی سے سکون اور خوشی چھین لی ہے۔ دھیان برکت پر ہو تو برکت دینے والے سے بھی رابطہ بحال رہتا ہے۔ کثرتِ رزق کو اپنے زورِ بازو کا کرشمہ جانا جاتا ہے اور خدا کے امتحان سے الگ گذرنا پڑتا ہے۔ انسان کو کبھی دے کر آزمایا جاتا ہے تو کبھی واپس لے کر آزمائش کی جاتی ہے۔ سرخرو وہی رہتے ہیں جنہیں برکتوں سے مالامال کر دیا جاتا ہے۔

کثرت اور بہتات سے نوجوان نسلوں میں بے معنویت اور بے مقصدیت بڑھتی ہے۔ جو بالآخر جنون اور افسردگی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ بہت سارا اکٹھا کرنے کی خواہش میں اکثر اخلاقیات اور اعلیٰ اصولوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔ زبان تو شاید خدا کا نام لے لے مگر دل صرف اور صرف مال کے ترانے گاتا ہے۔ کہنے کو عبادت خدا کی جاتی ہے مگر حقیقت میں دولت کی پوجا کی جا رہی ہوتی ہے۔ بہت زیادہ بھی کم لگتا ہے اور کثیر سے بھی گذارا نہیں ہوتا۔ گنتی بہت زیادہ ہونے لگتی ہے مگر برکت اُٹھالی جاتی ہے۔ ایک کروڑ کی کمائی ہونے لگے اور دو کروڑ کی بیماری گھر میں آن ڈیرے ڈالے تو یہ سودا بھلا کیسے نفع کا ہو سکتا ہے؟ اس لئے زندگی میں جب بھی دعا کریں تو کثرت کی بجائے برکت مانگیں تاکہ سکون اور اطمینان سے زندگی کا سفر پورا ہو سکے۔

یاد رکھیں! ''کثرت'' آزمائش ہے جبکہ ''برکت'' نعمت ہے۔۔۔ ''کثرت'' بھی نصیب ہے لیکن ''برکت'' خوش نصیبی ہے۔۔۔ ''کثرت'' ضروریات پوری ہونے کا انسانی اندازہ ہے جبکہ

”برکت“ اللہ کی طرف سے گارنٹی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ضروریات یقینا پوری ہوگی۔۔۔”کثرت“ کی خواہش بے چینی اور بے سکونی لاتی ہے جبکہ ”برکت“ کی خواہش صبر و قناعت پیدا کرتی ہے۔”کثرت“ کا طلبگار ناشکرا بنتا ہے جبکہ ”برکت“ کا طلبگار شکر گزار بنتا ہے۔۔۔”کثرت“ والے روزِ محشر حساب کتاب میں پھنسیں گے جبکہ ”برکت“ والے حساب کتاب کی سختی سے محفوظ رہیں گے۔

حضرت ابن حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

وہ کم مال جس کا شکریہ تو ادا کرے، یہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تو طاقت نہ رکھے۔(مسند ابو یعلی)

اسلامی معاشرتی اصول یہ بتاتے ہیں کہ کثرت کے پیچھے بھاگنے سے دل کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔(القصص:۶۰)

یعنی جو اللہ کے پاس ہے بہتر بھی ہے اور باقی بھی ہے۔

دنیا کی کثرت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے جبکہ برکت دل میں سکون، رزق میں کفایت اور زندگی میں اطمینان پیدا کرتی ہے۔ برکت ایک روحانی کیفیت ہے جو کم مال میں خوشی، کم وقت میں فائدہ، کم محنت میں ثمرات اور مختصر زندگی میں عظیم کام پیدا کرتی ہے۔جدید سائنس یہ تسلیم کرتی ہے:

More does not equal happiness

معاشرتی طور پر جہاں برکت ہوتی ہے، وہاں حسد نہیں ہوتا، حرص نہیں ہوتی اور مقابلہ بازی نہیں ہوتی بلکہ دل ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

(۲) تھوڑے پر راضی ہونا

کتاب لاریب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ (الحدید:۲۳)

جو چلا گیا اس پر غم نہ کرو، جو ملا ہے اس پر اترانہ جاؤ۔

یہ آیت قلبی سکون کی بنیاد ہے۔ کم پر راضی ہونے سے دل مضبوط ہوتا ہے، حسد ختم ہوتا ہے اور دل میں اللہ کے فیصلے پر اطمینان آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ (سنن ترمذی)

جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جائے وہ سب سے بڑا غنی ہے۔

قرآن و حدیث کا یہ اصول سماجی حسد روک دیتا ہے، طبقاتی نفرت ختم کرتا ہے اور احترام اور قبولیت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے سفر میں سامان کم سے کم لیکن تجربے زیادہ سے زیادہ جمع کریں۔ لوگوں سے بات چیت میں اشیاء اور چیزیں نہیں بلکہ تجربے اور احساسات کام آتے ہیں۔

صرف اپنی ضرورت کو مدِ نظر رکھیں۔ زندگی میں مقدار نہیں بلکہ معیار پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ کتنا کافی ہوگا؟ اس کا فیصلہ صرف ہمیں ہی کرنا ہے۔ 90 دن میں اگر کچھ استعمال نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے خدا حافظ کہیں تاکہ خدا کی رحمت سے کچھ نیا اس کی جگہ لے سکے۔ زندگی اُس وقت ہی تو خوبصورت بنتی ہے کہ جب تھوڑا کافی لگنے اور ہونے لگے۔ زائد سے نجات پا لیں اور اشد ضرورت پر پوری توجہ مرکوز کر دیں، زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔

اپنی چیزوں اور سوچوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں اور جو کچھ بھی فضول لگے اُس سے فوری چھٹکارا پائیں۔ سکون اور حقیقی خوشی فرد کے رویوں اور کردار سے جھلکنے لگتی ہے۔ خوف مرنے لگتے ہیں اور فرد پُراعتماد ہو کر زندگی کے ہر لمحے میں سے خوشی کشید کرنے لگتا ہے۔

(۳) سادگی اختیار کرنا

اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں سادگی کی تعلیم دی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت سراپا سادگی تھی۔ آپ ﷺ کا لباس، کھانا، گھر اور طرزِ زندگی ہر چیز میں سادگی اور تکلف سے دوری نظر آتی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما قل وکفی خیر مما کثر وألھی (مشکوٰۃ شریف)

جو کم ہو اور کافی ہو، وہ بہتر ہے اُس سے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈال دے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ظاہری نمائش، دکھاوے اور مصنوعی زندگی سے بچنے کا حکم دیتا ہے، کیونکہ یہ دل کو غافل اور نفس کو مغرور کرتی ہے۔ اسلام میں سادگی محض ایک ذاتی خوبی نہیں بلکہ ایمان کا حصہ ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک روز آپ ﷺ کے پاس دنیا کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ کیا تم سن نہیں رہے ہو:

إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ، إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ (سنن ابی داؤد)

بے شک سادگی و پراگندہ حالی ایمان کی دلیل ہے، بیشک سادگی و پراگندہ حالی ایمان کی دلیل ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جدید ترقی میں ماہرین نفسیات اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں جو اسلام نے 14 سو سال پہلے دیا۔ آج کی دنیا میں "Minimalism" یعنی سادہ اور کم چیزوں والی زندگی ایک

باقاعدہ تحریک بن چکی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ زیادہ چیزیں، زیادہ آسائشیں اور زیادہ خواہشات انسان کو سکون نہیں دیتیں، بلکہ ذہنی دباؤ، پریشانی، احساسِ کمتری اور مصنوعی مقابلے میں مبتلا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس، وہ لوگ جو کم چیزوں میں خوش رہتے ہیں، سادہ زندگی اختیار کرتے ہیں، اور خود کو غیر ضروری چیزوں کے بوجھ سے آزاد رکھتے ہیں، وہ زیادہ پرسکون، مطمئن اور خوش رہتے ہیں۔ سادگی ہی خوبصورتی ہے، اس لئے سادگی کو بطور اندازِ زندگی اپنالیں۔ اللہ نے ہمیں مکمل اور منفرد پیدا کیا ہے، اس لئے وُہی بنیں اور دکھائی دیں جو ہم ہیں۔ یعنی ویسے ہی لگیں اور دکھیں جیسے ہم ہیں یعنی سادہ کھائیں، سادہ پہنیں اور سادہ جیئں، زندگی بہت آسان اور پرسکون ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام

جدید ترقی مگر روحانی تنزلی کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں چراغِ راہ جلانا بھی جہادِ عظیم ہے۔ اس بھاگتی دوڑتی زندگی میں ہر ہر سطح پر اعتدال و توازن کا دامن تھامنا ہوگا۔ معاشی سطح ہو یا معاشرتی دائرہ حیات توازن کی بحالی ناگزیر ہے۔ جس طرح چاقو کوئی بری چیز نہیں، کلہاڑی کوئی خطرناک چیز نہیں لیکن جب ہم ان چیزوں کو اپنے مصرف میں لانے کی بجائے ان سے غلط کام لینا شروع کر دیتے ہیں، تب ان میں منفی رخ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو چاقو سبزی، پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کلہاڑی لکڑی کاٹنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن اسے بطورِ ہتھیار کسی کی گردن کاٹیں، کسی بے گناہ کی جان سے کھیلیں یا کسی کا خون بہائیں تو اس میں ان چیزوں کی کوئی غلطی نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال کرنے والا ہی اصل قصوروار ہے۔

اسی طرح جدید ٹیکنالوجی خود سے کوئی خطرناک چیز نہیں۔ جب ہم اسے اپنے منفی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں، تب اس کے مفید اثرات ناپید ہو جاتے ہیں اور مضر اثرات معاشرے میں ناسور بن کر پھیل جاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی زندگی میں توازن پیدا کریں اور معاشی و معاشرتی ہر دو سطح پر غیر حقیقی اصولوں، تصورات اور اعتقادات سے نجات حاصل کریں۔

فتنۂ الحاد: اثرات اور تدارک

پروفیسر ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی
پرنسپل کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، منہاج یونیورسٹی لاہور

گزشتہ سے پیوستہ

عصرِ حاضر میں الحاد صرف نظریاتی افکار کا نام نہیں رہا بلکہ یہ ایک منظم فکری و تہذیبی تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے، جو دنیا بھر میں بالخصوص مسلم نوجوانوں کے اذہان کو متاثر کر رہا ہے۔ سوشل میڈیا، لبرل تعلیمی نظام اور فکری آزاد خیالی نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جہاں مذہب کو ایک قدیم، غیر سائنسی اور غیر متعلقہ نظام کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ نتیجتاً نوجوان نسل ایک فکری خلا، روحانی بے چینی اور شناختی بحران کا شکار ہو کر الحاد یا دین بیزاری کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ اس مضمون کے گذشتہ حصہ (شائع شدہ ماہ نومبر 2025ء) میں ہم الحادی رجحانات کے اسباب میں سے جدیدیت اور مغربی نظریات، لبرل ازم اور سیکولر خیالات، اساتذہ کا کردار، سوشل میڈیا و ڈیجیٹل مواد اور ثقافتی تبدیلیاں، ان کا تفصیلی مطالعہ کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں الحادی رجحانات کے فروغ کے مزید اسباب اور ان کے اثرات ذکر کیے جا رہے ہیں:

۶۔ تنقیدی سوچ کی حوصلہ افزائی

الحادی رجحانات کے فروغ کا ایک سبب مذہب و عقیدہ پر کیے جانے والے اعتراضات اور تنقیدی سوچ کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔ جامعات میں تنقیدی سوچ کو ایک اہم جزو کے طور پر فروغ دیا جاتا ہے، جس کا مقصد طلبہ کو مختلف نظریات اور خیالات پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت دینا ہے۔ یہ تنقیدی سوچ

طلبہ کے ذہن کو جلا بخشتی ہے اور انہیں اپنی عقل و شعور کے ذریعے دنیا اور مختلف موضوعات کو سمجھنے کی اہلیت فراہم کرتی ہے۔ تاہم جب یہ تنقیدی سوچ مذہب کی تعلیمات پر لاگو کی جاتی ہے تو ضروری ہے کہ اس کا مقصد اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیمات کی حقیقت کو تلاش کرنا ہو، نہ کہ ان کو چیلنج کرنا یا سوالات کے ذریعے ان کی سچائی کو مشتبہ بنانا۔

اسلام میں سوالات اور تحقیق کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ لوگ سوچیں، غور کریں اور علم حاصل کریں۔ اس کا مقصد انسان کو عقل و فہم کے ذریعے دین کو سمجھنا اور اس کی سچائی کو پہچاننا ہے۔ اسلام میں تنقیدی سوچ کو اہمیت دی گئی ہے مگر یہ سوچ دین کی بنیادوں اور عقائد کی تردید یا انکار کی طرف نہیں بلکہ یہ دین کی حقیقت اور اس کے پیغامات کو بہتر طور پر سمجھنے کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔

(۱) مذہب پر سوالات

جامعات میں طلبہ مذہبی تعلیمات پر سوالات اٹھاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں بعض اوقات مذہبی اصولوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سوالات ایک فطری عمل ہیں کیونکہ نوجوان طلبہ اپنی عقل اور نئے خیالات کی بنیاد پر کسی بھی موضوع پر سوالات کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ تاہم مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ سوالات بغیر کسی مناسب رہنمائی یا جوابات کے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔

★ لہذا ضروری ہے کہ جب طلبہ مذہب کے مخصوص اصولوں، عقائد یا احکام کے بارے میں سوالات کرتے ہیں تو اس کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق گہرائی سے، عقلی اور منطقی انداز میں سمجھایا جائے لیکن اکثر اساتذہ اور فکری رہنما اس نوعیت کی رہنمائی فراہم نہیں کرتے کیونکہ ان کے پاس مذہبی دلائل کو صحیح طریقے سے پیش کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی یا وہ خود ان تعلیمات سے لاعلم یا شکوک و شبہات کا شکار ہوتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر طلبہ کو ان سوالات کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملتا اور ان کے اذہان میں مذہب کے بارے میں مزید سوالات اور تحفظات جنم لیتے ہیں۔

(۲) مناسب رہنمائی کی کمی

جب مذہبی سوالات کے جوابات کے لیے مناسب رہنمائی فراہم نہیں کی جاتی تو طلبہ خود ہی ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اکثر الحادی یا سیکولر نظریات کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان کے سامنے اکثر مغربی خیالات اور لبرل تصورات آتے ہیں جو ان کے مذہبی عقائد کو چیلنج

کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں طلبہ میں مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات بڑھ جاتے ہیں اور وہ مذہب کو محض ایک روایتی رسم سمجھنے لگتے ہیں جو ان کی ذاتی آزادی اور عقل کے مطابق نہیں ہے۔

★ یاد رکھیں! تنقیدی سوچ کو فروغ دینے کا مقصد صرف سوالات کرنا نہیں بلکہ ان سوالات کا معقول، دانشمندانہ اور ایمان کی گہرائی سے جواب دینا بھی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو مذہبی عقائد پر سوالات کرنے کی آزادی دیں، مگر ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے انہیں صحیح رہنمائی بھی فراہم کریں۔ اس کے لیے اساتذہ کی تربیت اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں ان کا پختہ علم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے طلبہ کے سوالات کا جواب دے سکیں اور ان کی فکری رہنمائی کر سکیں۔

الحادی رجحانات کے اثرات

الحادی رجحانات کے اثرات فکری، مذہبی، اخلاقی اور سماجی تبدیلیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ الحادی سوچ کا گہرا اثر طلبہ کی ذہن سازی اور ان کی فکری رہنمائی پر ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف ان کے عقائد اور نظریات میں تبدیلی آتی ہے بلکہ ان کے عملی رویوں اور مذہبی عقائد پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جب ایک طالب علم کی سوچ مذہب اور ایمان سے منحرف ہو جاتی ہے تو وہ اپنے عمل اور زندگی کے مقصد کو بھی دوبارہ پرکھتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنی روحانیت، اخلاقیات اور سماجی ذمہ داریوں سے دور ہو سکتا ہے۔

الحادی نظریات کی پذیرائی کے نتیجے میں نوجوان نسل کی اکثریت دنیاوی کامیابیوں اور مادی مفادات کی طرف مائل ہو جاتی ہے، جس کا اثر ان کے اخلاقی اقدار، مذہب اور سماجی تعلقات پر پڑتا ہے۔ ذیل میں الحادی رجحانات کے چند اثرات بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ مذہبی عقائد پر عدمِ تیقّن

الحادی رجحانات کے اثرات نے طلبہ کے مذہبی عقائد پر یقین پر نمایاں کمی پیدا کی ہے۔ یہ رجحانات مذہب کی حقیقت اور اس کے اصولوں پر سوالات اٹھاتے ہیں، جس کے نتیجے میں طلبہ کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ جب طلبہ ان سوالات کا جواب نہیں پاتے یا ان کے پاس مذہب کے حوالے سے کوئی قابل اطمینان رہنمائی نہیں ہوتی تو وہ مذہب کو ایک روایت ثقافت یا سماجی رسم کے طور پر دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے ان کے ایمان میں کمزوری آتی ہے اور وہ مذہب کے بارے میں ایک انکار کی سوچ اپنانا شروع کر دیتے ہیں۔

(۱) ترک عبادات

الحادی نظریات کی وجہ سے طلبہ کی اکثریت مخصوص مذہبی عبادات کو ترک کرنا شروع کر دیتی ہے، جیسے نماز، روزہ اور دیگر روحانی عبادات۔ ان کے ذہن میں یہ خیال پروان چڑھتا ہے کہ عبادات کا کوئی حقیقی فائدہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ روحانی سکون فراہم کرتی ہیں۔ ان کی توجہ مذہب سے ہٹ کر دنیاوی کامیابیوں، مادی ترقی اور انفرادی آزادی کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ رجحان ایک گہری تبدیلی کی علامت ہے، جس میں مذہب کی روحانیت کی اہمیت ختم ہو کر مادیت کو فوقیت دی جاتی ہے۔

(۲) دنیاوی کامیابیاں اور مادی ترقی کی اہمیت

الحادی رجحانات طلبہ میں مادی کامیابیوں اور دنیاوی ترقی کو زیادہ اہمیت دینے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں طلبہ اپنے مقصد کو صرف مالی فائدے، معاشرتی مقام، یا انفرادی آزادی کے حصول کے طور پر دیکھنے لگتے ہیں۔ یہ رجحانات ان کے دل و دماغ میں مادی دنیا کے پیچھے دوڑنے کی سوچ کو تقویت دیتے ہیں، جس کا اثر ان کی مذہبی سوچ پر پڑتا ہے۔ وہ مذہب کو ایک غیر ضروری اور روایتی چیز سمجھنے لگتے ہیں، جس کا ان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) فرد پرستانہ سوچ اور لادینی نظریات

الحادی رجحانات فرد کی آزادی اور ذاتی کامیابیوں پر زور دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ ایک فرد پرستانہ (Individualistic) سوچ کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اس سوچ کی بنیاد پر وہ مذہب کو ایک اجتماعی اور روحانی حقیقت کے طور پر دیکھنے کی بجائے اسے محض ایک ذاتی معاملہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اس سے ان کے رویے میں بھی تبدیلی آتی ہے اور وہ اپنے عمل کو صرف ذاتی مفادات اور آزادی کے تناظر میں دیکھتے ہیں نہ کہ مذہبی ہدایات اور روحانی اصولوں کے مطابق۔

۲۔ سماجی رویوں میں تبدیلی

یونیورسٹیز میں الحادی رجحانات نے طلبہ کے ذہنوں میں آزاد خیالی کے تصورات کو فروغ دیا ہے۔ یہ طلبہ کو مذہبی اصولوں اور روایات سے آزاد کر کے انفرادی آزادی اور خود مختاری کی طرف راغب کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں مذہب سے زیادہ ذاتی خوشی اور دنیاوی کامیابیوں کی اہمیت بڑھنے لگتی ہے۔ اس کے نتیجے میں طلبہ کے رویے میں زیادہ کھلی سوچ نظر آتی ہے جو کہ ان کی روزمرہ زندگی، تعلقات اور سماجی تعاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔

(۱) مذہبی روایات سے انحراف

الحادی رجحانات کے زیر اثر طلبہ مذہبی روایات اور اقدار سے دور ہوتے ہیں۔ وہ ان روایات کو محض ایک ثقافتی ورثہ سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں اور انہیں اپنے سماجی رویوں میں ترجیح نہیں دیتے۔ اس سے نوجوانوں میں مذہبی اجتماعات، عبادات اور مذہب سے جڑی دیگر سرگرمیوں کے حوالے سے بے اعتنائی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ان روایات کو محض ایک پرانی روایت کے طور پر دیکھنا شروع کرتے ہیں، جس کا ان کی زندگی میں کوئی عملی اثر نہیں ہوتا۔

(۲) معاشرتی ہم آہنگی اور مذہبی یکجہتی پر اثرات

سیکولر اور لبرل سوچ کی طرف طلبہ کا مائل ہونا معاشرتی ہم آہنگی اور مذہبی یکجہتی کو چیلنج کرتا ہے۔ جب طلبہ کے درمیان مذہبی اختلافات بڑھتے ہیں اور مذہب کی اہمیت کم ہوتی ہے تو یہ گروہی تفریق اور تنازعات کا سبب بن سکتی ہے۔ معاشرتی سطح پر بھی مختلف عقائد رکھنے والے افراد کے درمیان رابطے کمزور ہو جاتے ہیں، جس سے پورے معاشرے میں تناؤ اور تقسیم کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ نتیجتاً مذہبی اور ثقافتی یکجہتی کے بجائے ایک انفرادی سوچ کا غلبہ ہوتا ہے جو کہ سماج کے توازن اور ہم آہنگی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

(۳) فرد پرستی اور خود غرضی کی بڑھتی ہوئی سوچ

الحادی رجحانات کے اثرات سے طلبہ کی زندگی میں فرد پرستی اور خود غرضی بڑھتی ہے۔ جب وہ مذہبی اصولوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان کی زندگی کا مقصد ذاتی خوشی اور کامیابی بن جاتا ہے تو یہ رویہ ان کی معاشرتی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کے سماجی تعلقات میں خود غرضی اور ذاتی مفادات کی اہمیت بڑھتی ہے، جس کی وجہ سے اجتماعی ہم آہنگی اور اجتماعی فلاح کا تصور کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں افراد اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے دوسروں کو نظر انداز کرنے لگتے ہیں، جس سے سماج میں ایک فرد پرستانہ رویہ پروان چڑھتا ہے۔

۳۔ اخلاقیات پر اثرات

الحادی رجحانات کی بڑھتی ہوئی موجودگی نے طلبہ کے اخلاقی اصولوں کو متاثر کیا ہے۔ جب مذہب کے اصولوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اخلاقی رہنمائی کی کمی ہوتی ہے تو طلبہ اپنی زندگی کے فیصلے محض ذاتی مفادات اور مادی کامیابیوں کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ یہ صورتحال طلبہ کو کسی بھی اخلاقی فریم ورک سے آزاد کر دیتی ہے، جس سے ان کے فیصلے خود غرضانہ اور منفعت پر مبنی ہوتے ہیں اور ان میں اچھائی

اور برائی کی تفریق کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رویوں میں معاشرتی اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کرنے لگتے ہیں۔

(۱) ذاتی مفادات کی بالادستی

الحادی نظریات کے زیر اثر طلبہ کی زندگی میں مفادات اور دنیاوی کامیابیاں اہمیت حاصل کر لیتی ہیں۔ ان کے فیصلے اب مادی کامیابیوں، مفاد پرستی، خود غرضی، ذاتی خواہشات اور فرد کی آزادی پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ کسی اعلیٰ اخلاقی معیار یا مذہبی ہدایات کی بنیاد پر۔ یہ رویہ ان کے اخلاقی معیارات کو متاثر کرتا ہے اور ان کے اندر انسانیت کی خدمت، دوسروں کے حقوق کا احترام اور ایثار جیسے اخلاقی اقدار کی کمی پیدا کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے دوسروں کی فلاح کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ معاشرتی اخلاقی معیارات کی خلاف ورزی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی اخلاقی اقدار متاثر ہوتی ہیں اور وہ دوسروں کے حقوق، احساسات اور ضرورتوں کو کم اہمیت دینے لگتے ہیں۔ اس تبدیلی کا اثر ان کے روزمرہ کے رویوں اور سماجی ذمہ داریوں پر بھی پڑتا ہے۔

(۲) معاشرتی اخلاقی نظام پر اثرات

یونیورسٹیز میں الحادی نظریات کی پذیرائی اور اخلاقی رہنمائی کے فقدان سے معاشرتی اخلاقی نظام میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جب اخلاقی اصولوں کی کوئی واضح بنیاد نہیں رہتی تو طلبہ میں اجتماعی ذمہ

داری، دوسروں کے ساتھ انصاف اور اخلاقی فیصلوں کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ یہ تبدیلی نہ صرف فرد کی زندگی بلکہ پورے معاشرتی ڈھانچے کو متاثر کرتی ہے کیونکہ افراد کے اخلاقی معیار میں کمی آتی ہے۔ اس سے معاشرتی روابط میں تناؤ، عدم اعتماد اور دوسروں کے حقوق کے احترام کی کمی پیدا ہوتی ہے جو کہ ایک صحت مند سماج کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ تحقیقی موضوعات میں تبدیلی

یونیورسٹیز میں الحادی رجحانات نے تحقیقی موضوعات کے انتخاب میں بھی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ جب مذہب کے اصول اور اس کی اہمیت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں تو طلبہ مذہبی موضوعات اور مسائل کی تحقیق سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ سائنسی اور مادی موضوعات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ نتیجتاً مذہبی موضوعات مثلاً: مذہبی فلسفہ، دین کی حقیقت اور دین کے اصولوں پر تحقیق کی کمی ہوگئی ہے۔ یہ تبدیلی نہ صرف طلبہ کی ذہنی حالت کو متاثر کرتی ہے بلکہ پورے معاشرتی اور علمی منظر نامہ پر بھی اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) سائنسی اور مادی موضوعات کا غلبہ

یونیورسٹیز میں الحادی نظریات کی بڑھتی ہوئی پذیرائی کے سبب سائنسی اور مادی موضوعات کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے۔ طلبہ کی اکثریت اب دنیاوی مسائل مثلاً: معاشی ترقی، سائنس، ٹیکنالوجی اور سیاست جیسے موضوعات پر تحقیق کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ ان موضوعات کو زیادہ اہمیت دینے کی وجہ سے مذہبی موضوعات میں تحقیق کرنے والے طلبہ کی تعداد کم ہوگئی ہے۔ سائنسی اور مادی نظریات پر زیادہ توجہ دینے سے طلبہ کو اُن معاملات پر گہری تفکر کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو کہ ان کے مذہبی اور اخلاقی اعتقادات کو چیلنج کریں۔

(۲) مذہبی علوم میں تحقیق کی کمی

مذہبی موضوعات پر تحقیق کی کمی کے ساتھ ساتھ، مذہبی علوم جیسے فقہ، تفسیر، حدیث اور اسلامی فلسفہ میں تحقیق کا فقدان بھی بڑھ رہا ہے۔ یونیورسٹیوں میں مذہبی اصولوں کی اہمیت اور ان پر مبنی علمی تحقیقات کو نظر انداز کیا جارہا ہے، جس سے نہ صرف مذہبی تعلیمات کا علم کم ہو رہا ہے بلکہ اس سے متعلقہ مسائل پر تحقیقی کام کی کمی واقع ہو رہی ہے۔ نتیجتاً دینی اداروں اور مدارس کے علاوہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بھی اس شعبے میں تحقیقی سرگرمیاں متاثر ہو رہی ہیں۔

۵۔روحانی سکون کا فقدان

یونیورسٹیز میں الحادی نظریات کے بڑھتے ہوئے اثرات نے طلبہ کو روحانی سکون سے محروم کر دیا ہے کیونکہ یہ نظریات مذہب اور روحانیت کے بنیادی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔جب طلبہ اپنے مذہبی عقائد پر شکوک وشبہات کا شکار ہوتے ہیں اور انہیں مذہب کی روحانیت سے دور کر دیا جاتا ہے تو وہ ذہنی سکون کی تلاش میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

(۱)ذہنی دباؤ اور بے سکونی کا اضافہ

جب انسان کے اندر روحانی سکون نہیں ہوتا اور اس کے عقائد کو مسلسل چیلنج کیا جاتا ہے تو اس کا اثر اس کی ذہنی حالت پر پڑتا ہے۔طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں لیکن انہیں اللہ پر ایمان اور اس کی مدد کا سہارا نہیں ملتا۔اس سے طلبہ میں ذہنی دباؤ اور بے سکونی کی حالت بڑھ جاتی ہے۔وہ اندر سے بے اطمینانی محسوس کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ سوالات ہوتے ہیں کہ زندگی کا مقصد کیا ہے اور ان کے مسائل کا حل کہاں ہے؟

(۲)دلی سکون کی تلاش میں مشکلات

جامعات میں الحادی نظریات کے اثرات سے طلبہ دلی سکون کی تلاش میں مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔جب کسی فرد کے اندر ایمان اور روحانیت کی طاقت نہ ہو تو وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے صرف مادی اور دنیاوی طریقوں پر انحصار کرتا ہے۔یہ رویہ فرد کی روحانی جڑوں کو کمزور کرتا ہے اور نتیجتاً وہ حقیقی سکون اور اطمینان حاصل نہیں کر پاتا۔طلبہ کے لیے یہ صورتحال اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ وہ دنیاوی کامیابیوں اور وسائل کے باوجود اندرونی سکون محسوس نہیں کرتے۔

(۳)خدا پر ایمان اور اس کی مدد کے احساس کا فقدان

روحانی سکون کا ایک بڑا جزو اللہ پر ایمان اور اس کی مدد کا یقین ہے۔جب طلبہ کو الحادی نظریات کی طرف مائل کیا جاتا ہے تو ان کا ایمان کمزور ہوتا ہے، نتیجتاً وہ خدا کی ہدایت اور مدد پر اعتماد نہیں کر پاتے۔مشکلات اور چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے ان کے لیے یہ سوچنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہ ان کی مدد کر سکتا ہے۔اس سے ان کا اندرونی سکون متاثر ہوتا ہے اور وہ دنیاوی طریقوں سے حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے کبھی کبھار وہ مزید پریشانی اور بے سکونی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۶۔ معاشرتی تقسیم

یونیورسٹیز میں الحادی نظریات کے بڑھتے اثرات نے مذہبی اور غیر مذہبی طلبہ کے درمیان نظریاتی فرق کو مزید گہرا کر دیا ہے۔ مذہبی طلبہ اپنے روایتی عقائد اور مذہب کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں جبکہ غیر مذہبی طلبہ سائنسی اور دنیاوی نظریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ سے دونوں گروپس کے درمیان مختلف سوچیں اور نظریات ابھر کر سامنے آتے ہیں جس سے ایک گہری تقسیم پیدا ہو رہی ہے۔ اس قسم کی تقسیم کے نتیجے میں ایک طرف مذہبی طلبہ اپنے عقائد کی بنیاد پر اپنے نظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف غیر مذہبی طلبہ انہیں مادی دنیا کے حوالے سے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الحادی نظریات کے اثرات نے بعض اوقات مذہبی اور غیر مذہبی طلبہ کے درمیان فرقہ واریت اور منافرت کی فضا پیدا کر دی ہے۔ مذہبی طلبہ اپنے عقائد کی بنیاد پر غیر مذہبی نظریات کو چیلنج کرتے ہیں جبکہ غیر مذہبی طلبہ مذہب کو ایک عقیدہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک پرانی سوچ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس سے دونوں گروپس میں ایک دوسرے کے حوالے سے منفی جذبات ابھرتے ہیں اور اس قسم کی منافرت کا نتیجہ بعض اوقات کلاس روم اور کیمپس میں جھگڑوں کی صورت میں بھی نکلتا ہے۔

خلاصۂ کلام

الحادی رجحانات کے فروغ کے عوامل اور ان کے اثرات کے اس تفصیلی مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ الحاد صرف اعتقادی مسئلہ نہیں بلکہ یہ اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی پہلوؤں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس کے اثرات میں فرد کی اخلاقی اقدار کا زوال، روحانی اضطراب، معاشرتی تفرقہ اور معاشی و تمدنی ابتری شامل ہے۔ الحاد کے سدِّباب کے لیے محض وعظ و نصیحت کافی نہیں بلکہ ایک منظم فکری، تعلیمی اور دعوتی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی فکر کی عقلی بنیادوں، وحی کی جامعیت اور دین کے روحانی و اخلاقی نظام کو عصرِ جدید کے فکری اسلوب میں پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے دینی اداروں، دانشوروں اور اہلِ علم کو علمی سطح پر الحادی فکر کا علمی و استدلالی جواب دینا ہوگا تاکہ مسلمان نوجوان ایک بار پھر ایمان، علم اور روحانیت کے متوازن راستے کی طرف لوٹ سکیں۔

Ph.D کا اعزاز حاصل کرنے پر مبارکباد

☆محترم ڈاکٹر محمد پرویز بلال (منہاجین سیشن 2017ء) نے منہاج یونیورسٹی سے مشکلات القرآن اور استشراقی فکر (مسلم مفسرین کی روشنی میں) کے عنوان پر پی ایچ ڈی مکمل کی۔

☆ محترم ڈاکٹر محمد حسن عباس (منہاجین سیشن 2017ء) نے اسلامی اقتصاد اور فنانس میں استنبول صباح الدین زعیم یونیورسٹی ترکیہ سے Sustainable Entrepreneurship in Emerging Contexts کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ محترم صاحبزادہ سید حامد علی بخاری الشاذلی (منہاجین سیشن 2012ء) نے یونیورسٹی آف گجرات سے "A Comparative Study of Islamic and Western Concepts of Law in the Context of the Objectives of Shariah" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

☆ محترم علامہ ڈاکٹر ضیاء المصطفیٰ مکی الازہری شاہ جمالی (منہاجین سیشن 2008ء) نے برونائی دارالسلام کی سلطان شریف علی اسلامک یونیورسٹی کی فیکلٹی آف شریعہ سے صناعة الأغذية الحلال: دراسة مقارنة بين معيارى جمهورية باكستان الإسلامية ومعايير سلطنة بروناى دار السلام (پاکستان اور برونائی کے حلال فوڈ سٹینڈرڈز کا تقابلی جائزہ) کے عنوان پر پی ایچ ڈی مکمل کر لی ہے۔

☆محترم ڈاکٹر محمد رفیق نجم (نائب ناظم اعلیٰ تنظیمات) نے منہاج یونیورسٹی لاہور سے علومِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی خدمات کا جائزہ کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

☆محترم ڈاکٹر محمد اقبال چشتی نے منہاج یونیورسٹی سے الاتجاه الإسلامى فى شعر محيى الدين ابن عربى والشيخ معين الدين الجشتى الأجميرى (شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ معین الدین چشتی اجمیری کے کلام میں اسلامی جہات) کے عنوان سے پی ایچ ڈی مکمل کی ہے۔

☆محترم ڈاکٹر حافظ عبدالرشید قادری (منہاجین سیشن 2010ء) نے منہاج یونیورسٹی سے دَلائِل المجاز المرسل فى الجامع الصحيح البخارى کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

☆محترم ڈاکٹر ذیشان طاہر (منہاجین سیشن 2015ء) نے منہاج یونیورسٹی سے المديح النبوى عند محمود سامى البارودى وحفيظ تائب (دراسة مقارنة) کے عنوان سے پی ایچ ڈی مکمل کی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، چیئرمین سپریم کونسل MQI ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور مرکزی قائدینِ تحریک اور کالج آف شریعہ کے اساتذہ کرام نے اعلیٰ تعلیمی اعزاز (Ph.D) کے حصول پر جملہ سکالرز کو صمیمِ قلب سے مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

موضوعاتی اشاریہ ماہنامہ منہاج القرآن لاہور سال 2025ء

۱۔ایمانیات/ عقائد/اسلام

عشقِ الٰہی اور لذتِ توحید	نوراللہ صدیقی	مارچ2025ء
اسلام میں انسانی حقوق کا تصور	نوراللہ صدیقیؒ	مئی2025ء
انسانی زندگی کے خوف و خطرات سے بچاؤ: قرآنی اصول	ڈاکٹر محمد نعیم انور نعمانی	مئی2025ء

۲۔عبادات

روزہ: فضیلت و اہمیت	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	مارچ2025ء
ماہِ رمضان المبارک: تعمیرِ شخصیت کا سنہری موقع	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	مارچ2025ء
فلسفۂ قربانی	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جون2025ء
حج اور قربانی کی روح: تزکیہ نفس اور خدمتِ خلق	ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی	جون2025ء

۳۔عظمت و مقامِ مصطفیٰ ﷺ /سیرت النبی ﷺ/حجیتِ حدیث و سنت

اطاعتِ رسول ﷺ مطلق اور غیر مشروط اطاعت ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	جنوری2025ء
سفرِ معراج اور شانِ مصطفیٰ ﷺ	شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری	جنوری2025ء
اطاعتِ رسول ﷺ اور قرآن مجید کے اسالیبِ بیان	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	مارچ2025ء
اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	اپریل2025ء
احکامِ شریعت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اہمیت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	مئی2025ء
سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں ہماری معاشرتی ذمہ داریاں	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	مئی2025ء
اللہ اور رسول اکرم ﷺ کے حکم کی حجیت اور اتھارٹی ایک ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	جون2025ء
عقیدۂ رسالت اور اطاعتِ رسول ﷺ کی حقیقی معرفت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	جولائی2025ء
ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ذکرِ خدا سے جدا نہیں	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	اگست2025ء
آقاعلیہ السلام کی عظمت و شان پر اعتقاد	پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	اگست2025ء
عقیدت و محبتِ رسول ﷺ: صحابہ کرامؓ کا طرزِ فکر و عمل	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	اگست2025ء
ربیع الاوّل اور نسبتِ محمدی ﷺ	ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی	اگست2025ء
قرآن مجید: حدیث و سنت کی حجیت کی دلیل	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	ستمبر2025ء
محبت و اتباعِ رسول ﷺ: مصطفوی معاشرے کے قیام کا مرکز	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	ستمبر2025ء
جیسے میرے سرکار ﷺ ہیں، ویسا نہیں کوئی	پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	ستمبر2025ء
انمول عشق اور بے مثل اطاعت	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	ستمبر2025ء
احکامِ شریعت کی تاثیر اخلاقِ حسنہ سے مشروط ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	نومبر2025ء

۴۔ خلفاء راشدین/صحابہ کرام/ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم/شہادت امام حسین علیہ السلام

حضرت عمر فاروقؓ: حکمرانوں کے لیے قابلِ تقلید اُسوہ	علامہ عمر نسفی	جون2025ء
حضرت عثمان غنیؓ کی حیا و بردباری: معاشرتی اصلاح کا ذریعہ	ڈاکٹر محمد اظہر عباسی	جون2025ء
شہادتِ امام حسینؓ کی انفرادیت اور معنویت	ڈاکٹر حافظ ظہیر احمد الاسنادی	جون2025ء
شانِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	جولائی2025ء
حقیقتِ ابدی ہے مقام شبیری (علیہ السلام)	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	جولائی2025ء
سیدنا صدیق اکبرؓ کی ثابت قدمی اور آج کے چیلنجز	ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی	دسمبر2025ء

۵۔ روحانیات/اخلاقیات/تعلیم و تربیت

کتاب اور خطاب	نوراللہ صدیقی	جنوری2025ء
تزکیہ واحسان اور تصوف و سلوک کا پس منظر	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جنوری2025ء
نیا سال: خود احتسابی	ساحل کاشمیری	جنوری2025ء
توبہ و استغفار اور ہماری زندگی	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	مارچ2025ء
شہرِ اعتکاف اور اخلاقی اسباق	نوراللہ صدیقی	اپریل2025ء
نوجوانوں کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	مئی2025ء
انسانی مقصدِ حیات اور فلسفۂ مزاحمت(I)	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	مئی2025ء
انسانی مقصدِ حیات اور فلسفہ مزاحمت (II)	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	جون2025ء
سوشل میڈیا کی اخلاقیات	عبدالستار منہاجین	ستمبر2025ء
طبیعت و شریعت کا باہمی تعلق	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	اکتوبر2025ء
امتِ مسلمہ کا نظامِ حیات: اعتدال اور میانہ روی (I)	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	نومبر2025ء
ڈیجیٹل دور میں بچوں کی تربیت: چیلنجز اور حل	محمد یوسف منہاجین	نومبر2025ء
اصلاحِ احوال کا مصطفوی منہاج	نوراللہ صدیقی	دسمبر2025ء
سب سے نفع بخش تجارت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	دسمبر2025ء
اعتدال اور میانہ روی کے نتائج واثرات (II)	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	دسمبر2025ء
انسانی وقار کا بحران اور اسلامی اخلاقی نظام	ڈاکٹر تاج الدین کالامی	دسمبر2025ء
جدید ترقی مگر روحانی تنزلی: اسباب اور ان کا تدارک	ڈاکٹر محمد اظہر عباسی	دسمبر2025ء

۶۔ الفقہ/فقہی سوالات

زربیعانہ کے شرعی احکام کیا ہیں؟ کھیل میں جوا؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	مارچ2025ء
مسلکی اختلاف کی بنا پر قطع رحمی؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	اپریل2025ء
مالی معاملات اور خرید و فروخت کے احکامات	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	مئی2025ء
احکاماتِ نکاح	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	جولائی2025ء
خلع وطلاق کے احکامات	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	اگست2025ء

'وتذل من تشاء' کی وضاحت؟ غیر مسلموں سے تعلقات کا حکم؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	ستمبر2025ء
کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا درست طریقہ؟ قضا نمازوں کی ادائیگی؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	نومبر2025ء
عقائد اور اعمال میں بگاڑ کے اسباب؟ ضروریات دین کے اثبات کے دلائل؟	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	دسمبر2025ء

۷۔ معیشت و معاشرت

معاشرتی بحران کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل	محمد یوسف منہاجین	جنوری2025ء
معاشرتی ذمہ داریاں، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	ڈاکٹر حافظ محمد سعداللہ	اپریل2025ء
بین المذاہب ہم آہنگی: ناگزیریت، چیلنجز اور اقدامات	ڈاکٹر علی رضا طاہر	مئی2025ء
معاشرتی عدم برداشت: اسباب، اثرات اور تدارک	ڈاکٹر محمد تاج الدین کلامی	جولائی2025ء
تعلیم و تحقیق سے بیگانگی: ایک سماجی المیہ	ڈاکٹر زہیر احمد صدیقی	جولائی2025ء
شخصیت پر سماجی ماحول کے اثرات	عبدالستار منہاجین	جولائی2025ء
لبرل ازم کے مقاصد: الحادی فکر کی ترویج اور خاندانی نظام کا خاتمہ	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	اگست2025ء
روشن خیالی اور اعتدال پسندی	ڈاکٹر محمد اکرم رانا	ستمبر2025ء
الحادی رجحانات کے فروغ کے عوامل اور اثرات (I)	ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن بادوی	نومبر2025ء
ماحولیاتی توازن اور وسائل کا تحفظ	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	نومبر2025ء
معاشرتی ہم آہنگی کا بحران اور تحمل و برداشت کی اہمیت	عبدالستار منہاجین	نومبر2025ء
الحادی رجحانات کے اثرات اور ان کا تدارک (II)	ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن بادوی	دسمبر2025ء

۸۔ پاکستانیات

پاکستان کے مسائل اور حل	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	جنوری2025ء
23 مارچ: یوم پاکستان۔ یوم تجدیدِ عہد	محمد یوسف منہاجین	مارچ2025ء
یوم آزادی اور خود احتسابی	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	اگست2025ء
ملک و قوم کی خدمت کے تقاضے اور قیادت کے اوصاف	احسان حسن ساحر	اگست2025ء

۹۔ شخصیات

حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ	خصوصی مضمون	اپریل2025ء
سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانیؒ: مشعلِ ہدایت و روحانیت	خصوصی تحریر	مئی2025ء
حضور غوث الاعظمؓ کا مقامِ ولایت	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	ستمبر2025ء
فکرِ اقبال کی تہذیبی معنویت	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی	نومبر2025ء

۱۰۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری (شخصیت و خدمات)

خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن	نوراللہ صدیقی	فروری2025ء
فیضانِ مصطفی ﷺ کی امین قیادت	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	فروری2025ء
دہشت گردی کے خلاف اسلامی بیانیہ کے علمبردار (I)	ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی	فروری2025ء
عصرِ حاضر کے چیلنجز اور فکرِ شیخ الاسلام	ڈاکٹر سید محمد ہارون بخاری	فروری2025ء

شیخ الاسلام کی تعلیمات: عصرِ حاضر میں اخلاقی بحران کا حل	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	فروری2025ء
شیخ الاسلام مصطفوی تعلیمات کے پیامبر	ڈاکٹر نعیم مشتاق	فروری2025ء
شیخ الاسلام کی علم الحدیث میں خدمات	ڈاکٹر علی وقار قادری	فروری2025ء
شیخ الاسلام کا تصورِ اجتہاد	ڈاکٹر محمد افضل قادری	فروری2025ء
اسلامی اقتصادیات اور شیخ الاسلام کی فکری خدمات	ڈاکٹر محمد اظہر عباسی	فروری2025ء
اسلاموفوبیا اور شیخ الاسلام کا فکری کردار	علامہ محمد اقبال فانی	فروری2025ء
مصطفوی معاشرہ کی تشکیل: شیخ الاسلام کا ویژن	انجینئر محمد رفیق نجم	فروری2025ء
سوشل میڈیا کا استعمال اور شیخ الاسلام کا نقطۂ نظر	عبدالستار منہاجین	فروری2025ء
شیخ الاسلام کی تحقیق و تالیفات	محمد اقبال چشتی	فروری2025ء
فروغِ نعت کی تحریک اور شیخ الاسلام کی عملی کاوش	ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی	فروری2025ء
دہشتگردی کے خلاف شیخ الاسلام کا فتویٰ: تجزیاتی مطالعہ (II)	ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی	مارچ2025ء
From east to west, your vision spread	(Abu Adam Al-shiraazi)	جولائی2025ء

۱۱۔ تحریک منہاج القرآن/PAT/مرکزی فورمز

مراکزِ علم: ایک حیات آفریں تحفہ	علامہ محمود مسعود قادری	فروری2025ء
شیخ الاسلام کی سربراہی میں قائم تعلیمی و فلاحی ادارہ جات	خصوصی رپورٹ	فروری2025ء
خانقاہی نظام اور منہاج القرآن کا تجدیدی کردار	پروفیسر منظور الحسن	جولائی2025ء
منہاج القرآن انٹرنیشنل کا 45 واں یومِ تاسیس	نوراللہ صدیقی	اکتوبر2025ء
اصلاحِ معاشرہ میں تحریکِ منہاج القرآن کا کردار	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	اکتوبر2025ء

۱۲۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن

انصاف میں تاخیر، انصاف کے قتل کے مترادف ہے	نوراللہ صدیقی	جون2025ء
سانحہ ماڈل ٹاؤن کے 11 برس	نعیم الدین چودھری ایڈووکیٹ	جون2025ء
17جون: شہدائے ماڈل ٹاؤن کی 11 ویں برسی: دنیا بھر میں تقریبات کا انعقاد		جولائی2025ء

۱۳۔ پروگرامز: شیخ الاسلام/ڈاکٹر حسن محی الدین قادری/ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

ختمِ صحیح البخاری: ملک گیر اجتماع	خصوصی رپورٹ	جنوری2025ء
مرکزی قیادت کی دعوتی، تحریکی اور تنظیمی سرگرمیاں	خصوصی رپورٹ	جنوری2025ء
چیئرمین سپریم کونسل کا دورۂ یورپ	خصوصی رپورٹ	مارچ2025ء
صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل کا دورۂ سندھ	خصوصی رپورٹ	مارچ2025ء
32واں سالانہ شہرِ اعتکاف	محمد یوسف منہاجین	اپریل2025ء
تشنگانِ علم اور محبانِ علوم الحدیث کیلئے عظیم خوشخبری	نوراللہ صدیقی	جولائی2025ء
گلاسگو میں بین المسالک ہم آہنگی اور اتحادِ امت کانفرنس	نوراللہ صدیقی	اگست2025ء
42 ویں عالمی میلاد کانفرنس اور تقاریبِ رونمائی	نوراللہ صدیقی	ستمبر2025ء
الہدایہ کیمپ 2025ء	خصوصی رپورٹ	ستمبر2025ء

42ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس2025ء	رپورٹ: ابدال احمد میرزا	اکتوبر2025ء
منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام تدریجی8ویں بین المذاہب کانفرنس	نوراللہ صدیقی	نومبر2025ء
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ ہزارہ ڈویژن	خصوصی رپورٹ	نومبر2025ء

۱۴۔ تحریکی سرگرمیاں (مرکزی اور اندرون و بیرون ملک)

شیخ الاسلام ڈے پر تقریبات کا انعقاد	خصوصی رپورٹ	مارچ2025ء
سالانہ عرس مبارک حضرت فریدِ ملتؒ (رپورٹ)	علامہ حافظ عبدالقدیر قادری	مئی2025ء
چوتھی سالانہ قومی ادبی نعت کانفرنس2025ء (رپورٹ)	ڈاکٹر سرور حسین نقشبندی	مئی2025ء
فاؤنڈنگ ممبرز ڈے کے موقع پر تقریب کا انعقاد	رپورٹ	جون2025ء
علماء جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کا دورۂ منہاج القرآن	رپورٹ	جون2025ء
منہاج یونیورسٹی کے زیر اہتمام ماحولیاتی تبدیلی کے موضوع پر کانفرنس(رپورٹ)		جون2025ء

۱۵۔ تعارفِ کتب

شیخ الاسلام کی کتب کی تقریبِ رونمائی (ایوانِ اقبال لاہور)	رپورٹ: محمد یوسف منہاجین	اکتوبر2025ء
شیخ الاسلام کی کتب کی تقریبِ رونمائی (اسلام آباد)	خصوصی رپورٹ	اکتوبر2025ء

شیخ الاسلام ڈے: فروری2026ء میں خصوصی نمبر کی اشاعت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی **75ویں سالگرہ** کے موقع پر حسبِ روایت امسال بھی ماہنامہ منہاج القرآن خصوصی نمبر شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔ یہ شمارہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی علمی و فکری اور تجدیدی و اصلاحی ہمہ جہتی خدمات پر مشتمل ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شمارے میں قومی و بین الاقوامی سطح پر امن و محبت کی ترویج اور بیداریٔ شعور کے لیے کی جانے والی آپ کی خدماتِ جلیلہ کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں آپ بھی ماہنامہ منہاج القرآن کو اپنی منفرد اور معیاری تحریریں بھجوا سکتے ہیں۔

شیخ الاسلام ڈے کے موقع پر **مبارکبادی پیغامات** کی صورت میں اشتہارات کی بکنگ بھی جاری ہے۔

آپ اپنے مضامین اور اشتہارات سے متعلقہ اشاعتی مواد مورخہ 10 جنوری2026ء تک ماہنامہ منہاج القرآن 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور ارسال کر سکتے ہیں۔

فون: 042-111-140-140 Ext-128، mqmujallah@gmail.com